تحقیقِ حق کا صحیح طریق

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

تحقیقِ حق کا صحیح طریق

(فرمودہ ۸۔اپریل ۱۹۳۴ء بمقام لائلپور)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

انسانی پیدائش کی غرض

برادرانِ کرام! اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت بڑے مقاصد کے پورا کرنے کیلئے پیدا کیا ہے مگر انسان باوجود اس کے کہ اسے ایک ایسی عظیم الشان حکمت کے ماتحت پیدا کیا گیا ہے اور اتنے بڑے مقاصد کو پورا کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے کہ جن کی عظمت کے خیال سے ہی دل خشیت سے بھر جاتا ہے پھر بھی وہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف متوجہ اور ایسے حقیر امور کی جانب جُھکا رہتا ہے کہ عقلمند اس کی اس عمومی حالت کو دیکھ کر نہایت ہی حیران رہ جاتا ہے۔ انسانی پیدائش کا کوئی خاص مقصد ہونے کے متعلق جتنے مذاہب بھی دنیا میں ہیں، خواہ وہ کسی ملک کے ہوں اور خواہ وہ کسی الہامی کتاب کے ماننے والے ہوں، تسلیم کرتے ہیں کہ انسانی پیدائش خدا کے ساتھ ایک ہو جانے اور اس کا دیدار حاصل کرنے کیلئے وقوع میں آئی ہے اور اس مسئلہ کے متعلق مذاہب میں کوئی اختلاف نہیں۔ اہلِ ہنود کے علماء سے پوچھ لو وہ یہی بتائیں گے کہ انسانی پیدائش اسی لئے ہے کہ انسان ایک دن اپنے پیدا کرنے والے میں جذب ہو جائے، یہود سے پوچھو تو وہ بھی یہیں کہیں گے کہ انسانی پیدائش کی غرض یہی ہے کہ انسان خدا کی بارگاہ میں پہنچ جائے، مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کی آرزو نہیں رکھتا وہ نابینا اور گنہگار رہے، عیسائی بھی اسی بات کے مدعی ہیں کہ جو شخص خدا کی طرف جُھکتا ہے اسے وہ اپنے تخت پر بٹھاتا ہے سکھ اور زرتشتی وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں کہ پیدائش

انسانی کی اصل غرض یہی ہے کہ انسان کا دل خدا کا گھر بن جائے۔

گمراہی سے بچنے کا طریق

اب غور کرو یہ کتنا بڑا مقصد ہے۔ اب اس کے مقابلہ میں بنی نوع کی حالت دیکھو تو یوں معلوم ہوگا کہ جیسے کسی ملک کے لوگ مل کر یہ فیصلہ کریں کہ فلاں شخص کو تخت پر بٹھایا جائے' اس کے لئے وہ تاج و تخت تیار کر رہے ہوں مگر وہ چپکے سے ایک جھاڑو اور ٹوکرا اٹھا کر مکان سے باہر نکل جائے اور پاخانہ صاف کرنے لگ جائے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اپنے جسم کو آلائشوں سے آلودہ کر لے یہی وجہ ہے کہ خدا نے جس غرض کیلئے انسان کو پیدا کیا ہے' عام طور پر لوگ اسے پاتے نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جب انسان اس طرف کا رستہ ہی اختیار نہ کرے جس طرف اسے جانا ہو تو اس جگہ وہ پہنچ کیونکر سکتا ہے۔ پس اصل چیز جس کی ہمیں ضرورت ہے اور جس کی طرف توجہ کرنی چاہئے وہ یہ ہے کہ دلوں میں سنجیدگی پیدا کی جائے اور خدا تعالیٰ کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر یہ چیز نہیں تو محض مسلمان کہلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ اس بات کو کسی مذہب سے تعلق رکھنے والا تسلیم نہیں کر سکتا کہ محض نام سے ہی سب کچھ مل جائے گا۔ قطع نظر اس سے کہ خدا کا خوف اس کے دل میں ہے یا نہیں بلکہ ہر مذہب والے کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ محض نام رکھ لینے سے کچھ نہیں بن سکتا۔ اس کیلئے دل میں خدا کا خوف اور خشیّت پیدا ہونی چاہئے اور اگر یہ چیز حاصل ہو جائے تو ممکن نہیں کہ انسان گمراہ رہ سکے۔ خود اس سے کتنی ہی غلطیاں کیوں نہ سرزد ہوں' اللہ تعالیٰ کی محبت ضرور اسے اپنی طرف کھینچ لے گی۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک شخص کی اولاد خراب ہو اور وہ اس کی ہدایت کیلئے کوشش نہ کرے اور جتنی محبت والدین کو اولاد سے ہوتی ہے' اس سے بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندہ سے ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ بندہ تباہ ہو اور اللہ تعالیٰ اس کی ہدایت کی طرف توجہ نہ کرے۔ یا تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کوئی خدا ہے ہی نہیں' محض دھوکا ہے' وگرنہ انسان کی طرف وہ کیوں ہاتھ نہیں بڑھاتا اور یا پھر یہ ماننا پڑے گا کہ خدا ہاتھ تو بڑھاتا ہے لیکن اگر انسان خود اپنی مٹھیوں کو بند کر لے تو اس کا کیا علاج۔ کھانا موجود ہو لیکن کوئی شخص اپنا منہ بھینچ لے تو اسے کس طرح کھلایا جاسکتا ہے۔ جو بچہ تعلیم حاصل نہ کرنا چاہے' اس کے والدین کی خواہش خواہ کتنی زبردست کیوں نہ ہو اور وہ کتنا بھی چاہیں' اسے کس طرح علم سکھا سکتے ہیں۔

جبر یہ ہدایت بے فائدہ ہے

بے شک یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اور وہ اپنی قدرت سے انسان کو سب کچھ سکھا سکتا اور سب

کچھ اس سے کرا سکتا ہے' مگر اس سے انسان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا' اس میں انسان کیلئے کوئی ثواب نہیں جیسے لوہے کو لوہا بننے اور لکڑی کو لکڑی ہونے کا کوئی ثواب نہیں۔ ثواب اور اجر اسی چیز کا ہوسکتا ہے جسے طبیعت پر بوجھ ڈال کر اور کوشش سے حاصل کیا جائے۔ مدرسہ میں محنت کرنے والوں کی ہی قدر کی جاتی ہے۔ یہ بات قدر کے قابل نہیں ہوتی کہ کسی کے دو[۲] کان اور دو آنکھیں ہیں۔ پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ جبر سے ہدایت دے سکتا ہے کیونکہ اس طرح پھر انسان کسی انعام کا مستحق نہیں ٹھہر سکتا۔

تحقیقِ حق کا طریق

اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ انسان کو اپنے قرب کی نعمتوں سے ممسوح کرے اور میرے نزدیک یہ اسی طرح حاصل ہوسکتا ہے کہ انسان مذہب کے متعلق غور کرتے وقت سب سے پہلے یہ خیال کرلے کہ میں دیانتداری کے ساتھ اور خدا تعالیٰ کی خشیّت کے ماتحت تحقیق کروں گا۔ شیخی یا بڑائی کا خیال اس کے اندر نہیں ہونا چاہئے اور نیک نیتی کے ساتھ تحقیق کرنی چاہئے۔ ہمارے صوبہ میں ایک بزرگ گزرے ہیں پہلے تو ان کی بہت مخالفت کی گئی' مگر اَب ان کی بہت قدر کی جاتی ہے خصوصاً پنجاب میں۔ میری مراد مولوی عبداللہ صاحب غزنوی سے ہے جو سردارِ اہلحدیث تھے۔ ایک دفعہ کچھ لوگ ایک مولوی صاحب کو ان سے بحث کرانے کیلئے لے آئے وہ صوفی منش آدمی تھے اور اہلحدیث ہونے کے باوجود ان کا رجحان تصوف کی طرف تھا۔ مولوی صاحب کو لے جانے والوں نے کہا کہ یہ فلاں مولوی صاحب ہیں اور آپ سے تبادلۂ خیالات کرنا چاہتے ہیں۔ مولوی عبداللہ صاحب نے نیچی نظروں سے مولوی صاحب کی طرف دیکھا اور کہا ہاں اگر نیت بخیر باشد وہ بھی نیک آدمی تھے کہنے لگے بس میں سمجھ گیا' بحث فضول ہے اور بحث کرنے سے انکار کر دیا۔

اکھاڑے قائم کرنیوالوں کو نصیحت

غرض انسان اگر اس مقصد کو سمجھ لے جس کی خاطر وہ پیدا کیا گیا ہے تو دین کے بارے میں ہنسی اور مخول کی طرف اس کی توجہ جا ہی نہیں سکتی۔ اس کا دل ہر وقت خشیتِ الٰہی سے دبا رہتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ بجائے اس کے کہ میں لوگوں سے لڑتا پھروں' مجھے خدا کے ساتھ اپنا معاملہ صاف کرنا چاہئے۔ اِسی وقت تقریر کرنے کیلئے کھڑا ہونے سے دو منٹ قبل مجھے ایک اشتہار دیا گیا ہے جس میں مجھے کہا گیا ہے کہ مباحثہ کرلو۔ نیز انہوں نے لکھا ہے کہ ہم نے مباحثہ کا چیلنج آپ کو دیا تھا' پھر یہاں کی لوکل جماعت احمدیہ نے اس کا کیوں جواب دیا ہے اب آپ یہاں آئے ہوئے

ہیں اس لئے واپس جانے سے پہلے خود مباحثہ کریں۔ اب ہر شخص اپنی جگہ پر غور کرسکتا ہے کہ ایک شخص جو سوائے خاص قومی کاموں اور ضروریات کے کبھی اپنے مرکز کو نہیں چھوڑتا' ایک خاص کام سے یہاں آتا ہے تو ایسے موقع پر اسے مباحثہ کا چیلنج دینے کے معنی ہی کیا ہوسکتے ہیں۔ تحقیقِ حق کیلئے کیا یہی ضروری ہے کہ میں ہی مباحثہ کروں اور میرے یہاں سے چلے جانے کے بعد تحقیقِ حق کا امکان نہ رہے گا۔ کیا کسی غیر مسلم کا یہ قول صحیح ہوسکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو فوت ہو چکے' اب میں کس سے اسلام سمجھوں کیونکہ صرف انہی سے میں سمجھنا چاہتا ہوں۔ جب یہاں مقامی جماعت احمدیہ موجود ہے اور وہ مباحثہ کا انتظام کرسکتی ہے تو اس کے کیا معنی ہیں کہ میں اپنے پروگرام کو جو مقرر ہے توڑ کر مباحثہ کروں۔ چیلنج دینے کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ کہہ دے' بھاگ گئے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر یہی بھاگنا ہے تو ہمیشہ ہی خدا کے بندے ایسی بھاگ بھاگتے آئے ہیں۔ ہمارا کام تو تبلیغِ حق ہے اور ہم اس کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ اگر چیلنج دینے والوں کو واقعی تحقیق کا شوق ہے تو میں ہندوستان میں ہی رہتا ہوں کسی بیرونی ملک میں نہیں وہ شوق سے قادیان آئیں' ہم انہیں ٹھہرائیں گے۔ اسی غرض سے ہم نے مہمان خانہ بنایا ہوا ہے' ان کے کھانے وغیرہ کا خود انتظام کریں گے' وہاں تحقیق کرلیں۔ پھر یہاں ہماری جماعت موجود ہے' علماء موجود ہیں' ان سے تحقیق کرسکتے ہیں لیکن اگر وہ محض اکھاڑہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو میں ان کو نصیحت کروں گا کہ اے خدا کے بندو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت بڑی غرض کے لئے پیدا کیا ہے ان باتوں کو چھوڑ دو جو اس غرض سے دور لے جانے والی ہیں۔ محبت پیار اور خدا کا خوف اپنے دلوں میں پیدا کرو کہ انہی چیزوں سے خدا مل سکتا ہے انہی سے لوگوں کے دلوں پر اثر ہوسکتا ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ بندہ سچا ہے تو اس کا سچ اس کے کام آئے گا اور تمہاری مخالفت اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔ لیکن اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ ہی اسے تباہ کردے گا[۱]۔ سچائی ہمیشہ اپنے لئے آپ رستے نکال لیتی ہے اور جھوٹ کو خواہ کتنا بھی کھڑا کرنے کی کوشش کی جائے وہ کبھی کھڑا نہیں رہ سکتا جھوٹ کبھی غالب نہیں آسکتا۔

مذاہب میں اختلاف کا موجب

جھوٹ کو غالب کرنے کی کوشش کرنا ہی وہ غلطی ہے جو سارے مذاہب میں اختلاف کا موجب ہے۔ اگر مسلمان اس امر پر غور کرتے کہ بعض لوگ ہندوستان میں ایسے ہوئے ہیں جن کی لوگوں نے مخالفت کی ویسی ہی مخالفت جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور

دوسرے نبیوں کی کی گئی مگر خدا تعالیٰ نے انجام کار انہیں فتح دی اور ان کی قوم کو ان کے ماتحت کر دیا تو وہ حضرت کرشنؑ اور حضرت رامچندر کو کبھی جھوٹے نہ کہتے۔ پھر اگر وہ اس نکتہ کو سمجھ لیتے کہ ہمیشہ صداقت ہی دنیا میں کامیاب ہؤا کرتی ہے تو وہ یہ نہ کہتے کہ یہ نبی نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ہندو اس بات کو سمجھ لیتے تو وہ کبھی محمد رسول اللہ ﷺ کو جھوٹا نہ کہتے۔ اتنا تو خیال کرنا چاہئے کہ اگر کوئی خدا ہے تو کیا اس پر افتراء کر کے کوئی بچ سکتا ہے۔ کیا کوئی دنیوی گورنمنٹ ایسی ہے کہ کوئی شخص غلط طور پر کہے میں اس کا تھانیدار ہوں تو اسے نہ پکڑے۔ پھر کیا عجیب بات نہیں کہ دنیوی حکومتیں تو اتنی ہوشیار ہوں کہ جعلساز کو فوراً پکڑیں مگر جھوٹے مدعی کو خدا کچھ نہ کہے بلکہ اسے پتہ بھی نہ ہو کہ اس کے نام پر کیا کیا دھوکے ہو رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہے اور دنیا کے بادشاہوں کی اس کے مقابل پر کچھ بھی حیثیت نہیں ہے ممکن نہیں کہ کوئی شخص اس پر افتراء کرے اور پکڑا نہ جائے۔ ایسے شخص کو ضرور اللہ تعالیٰ اپنی طاقت کا نمونہ دکھاتا ہے۔

پتھر مارنے اور پتھر کھانے والے

پس یہ مت خیال کرو کہ خدا اس بات کا محتاج ہے کہ بندے اس کا نام پھیلانے کیلئے بے جا جوش دکھائیں اور خلافِ اخلاق حرکات کریں اس سے دین کی کبھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ غور تو کرو دنیا میں جو تمام بزرگ گذرے ہیں وہ پتھر مارنے والے تھے یا کھانے والے؟ کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوا جس نے دوسروں پر پتھر پھینکے ہوں اور کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوا جس پر مخالفین نے تشدد نہ کیا ہو۔ مسلمان خوب جانتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ طائف میں پتھروں کی جھولی بھر کر نہ لے گئے تھے۔ بلکہ طائف والوں نے آپؐ پر پتھر برسائے تھے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں' ان کے دل نرم ہو جاتے ہیں' وہ ماریں کھاتے ہیں مگر پھر بھی منہ سے یہی کہتے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے اور میں بھی ایسے لوگوں کے لئے جو نا جائز طریقے اختیار کرتے ہیں' خدا گواہ ہے ایسا ہی کرتا ہوں۔ ان کی باتیں میرے لئے کبھی وجہِ ملال نہیں ہوئیں' میں نے خَلْوَت میں بھی اور جَلْوَت میں بھی دعائیں کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔ دراصل جو خدا کا ہو جاتا ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ محبت سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف لائے' نہ کہ متنفر کر کے بھگا دے۔ پس اگر مَیں اس دعویٰ میں سچا ہوں کہ میں نے صداقت کو پا لیا تو میری کوشش لازماً یہی ہو گی کہ لوگوں کو خدا کی طرف لاؤں نہ کہ دور بھگاؤں۔ دنیا میں لوگ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے ہاتھ تک جوڑنے میں تأمل نہیں کرتے اور اگر یقین ہو جائے کہ لوگ خدا کے ہو جائیں گے تو

ہمیں ان کے آگے ہاتھ جوڑنے میں بھی پس وپیش نہ ہوگا۔ ان کی گالی گلوچ اور مار پیٹ کوئی چیز نہیں اگر ہمیں یقین ہو کہ جان دینے سے بھی یہ لوگ ایمان لے آئیں گے تو ہم اسے ایک بہت بڑی سعادت سمجھیں گے۔

صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی شہادت

کابل میں ہماری جماعت کے ایک بزرگ کو حکومت نے گرفتار کر لیا اور الزام یہ لگایا کہ اس نے نیا دین قبول کیا ہے جو جہاد کی ممانعت کرتا ہے اور اس وجہ سے یہ افغانستان کا دشمن اور مسلمانوں کو کمزور کرنا چاہتا ہے۔ علماء کے کہنے سے بادشاہ نے ان کی سنگساری کا حکم دے دیا۔ وہ اتنے بڑے اور صاحبِ عزت بزرگ تھے کہ امیر حبیب اللہ خان کی تخت نشینی کے وقت تاجپوشی انہوں نے ہی کی تھی جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ملک میں ان کو مذہبی لحاظ سے سب سے بڑا تصور کیا جاتا تھا۔ وہ بہت بڑے دولت منداور جاگیردار تھے' ناز ونعم میں پلے ہوئے تھے' ایسے انسان کے لئے معمولی سی تکلیف بھی برداشت کرنا مشکل ہوتی ہے مگر انہیں ایک میدان میں جہاں تمام لوگ جمع ہوئے لا کر کھڑا کر دیا گیا۔ علماء نے بادشاہ سے کہا کہ پہلا پتھر آپ پھینکیں مگر اس نے کہا کہ یہ میرا فتویٰ نہیں بلکہ آپ کا ہے' چنانچہ علماء کی طرف سے پتھر پھینکے گئے اور پھر سب لوگوں نے سنگ باری شروع کر دی مگر وہ ہاتھ اُٹھا کر اس وقت بھی یہی دعا مانگ رہے تھے کہ خدایا میری قوم ناواقف ہے اس پر عذاب نازل نہ کرنا۔

تحمل کی ایک مثال

ہماری غرض ہدایت کی طرف لانا ہے۔ اسی شہر میں ایک بیرسٹر تھے' معلوم نہیں آج کل یہاں ہیں یا نہیں' میں ان کا نام نہیں لیتا تا کہ اگر یہاں ہوں تو شرمندگی نہ ہو' میں جب حج کے لئے جا رہا تھا تو وہ بھی ڈگری لینے کے لئے اسی جہاز میں جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک اور ہندو بیرسٹر بھی تھے جو اِن دنوں لاہور میں پریکٹس کرتے ہیں اور مشہور بیرسٹر ہیں وہ عام طور پر مذہبی گفتگو کرتے رہتے تھے اور جب ان کو علم ہوا میں احمدی ہوں تو مذہبی گفتگو کا سلسلہ اور بھی لمبا ہونے لگا۔ وہ بعض اوقات بانی سلسلہ احمدیہ کو گالی بھی دے دیتے مگر میں تحمل سے جواب دیتا۔ آخر گیارہ دن کے بعد جب ہم سویز پہنچے تو نامعلوم کس طرح انہیں علم ہو گیا کہ میں بانی سلسلہ احمدیہ کا بیٹا ہوں۔ اس پر وہ بہت گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ معاف کیجئے مجھے علم نہ تھا' اس لئے سخت الفاظ بعض اوقات منہ سے نکل گئے۔ میں نے انہیں کہا کہ اگر میں بُرا مانتا تو آپ سے کہہ دیتا میں تو چاہتا تھا

کہ آپ کُھل کر اعتراض کریں۔ پس یہ چیزیں ہماری نگاہ میں کچھ ہستی ہی نہیں رکھتیں۔

ہمارا مقصد ہمارا ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ بندوں کو خدا سے واصل کر دیں اس میں ہماری کوئی ذاتی غرض مخفی نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر بیان کرتا ہوں کہ جب میں بہت چھوٹا تھا یعنی میری عمر صرف گیارہ سال کی تھی' تو ایک دفعہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا' کیا میں احمدی اس لئے ہوں کہ میں مدعی مسیحیت و مہدویت کا بیٹا ہوں یا اس لئے کہ یہی صداقت ہے اور خدا جانتا ہے کہ میں گھر کی چھت کے نیچے نہیں داخل ہوا جب تک مجھے یقین نہیں ہو گیا کہ عقل سے سمجھ کر میں نے احمدیت کو قبول کیا ہے اور یہی صداقت ہے۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اگر مجھے یقین نہ ہوا کہ یہ صداقت ہے تو میں یہیں سے باہر نکل جاؤں گا' کہیں چلا جاؤں گا اور گھر میں ہرگز داخل نہیں ہوں گا۔ میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ اگر کوئی ہمیں ثابت کر دے کہ خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ماننے میں نہیں ملتا بلکہ اس کی باتیں ماننے سے ملتا ہے تو ہم غلاموں کی طرح اس کے پیچھے چلنے کو تیار ہیں۔

وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام اور صداقتِ مسیح موعودؑ کا ثبوت

ایک اہم سوال اَب مَیں اس امر کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ سلسلہ احمدیہ دنیا کے سامنے کیا پیش کرتا ہے اور کن دلائل کی بناء پر چاہتا ہے کہ لوگ اس کے بانی کو قبول کر کے خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں۔ اس ضمن میں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرزا صاحبؑ کے دعویٰ مسیح موعود کو کیوں مانیں؟ اور جبکہ وہ اسلام کو ہی دنیا کے سامنے پیش کرنے کے مدعی ہیں اور کوئی نئی چیز نہیں لائے بلکہ ان کے نزدیک اسلام ہی سب خوبیوں کا جامع ہے' تو پھر جو لوگ اسلام کی صداقت کے قائل ہیں' وہ اس سلسلہ میں کس لئے داخل ہوں اور میں سمجھتا ہوں جتنا یہ سوال لوگوں کے دلوں میں مضبوط ہوگا' اتنا ہی حق کے پھیلنے میں آسانیاں ہوں گی کیونکہ اس کے رستہ میں مشکل یہی ہے کہ لوگ غور نہیں کرتے اس لئے ان کو صداقت نہیں ملتی۔ آج میں اس طرح گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ اس سوال کا حل ہو جائے۔ میرے نزدیک بانی سلسلہ احمدیہ رسول کریم ﷺ کی ذات پر شاہد ہیں اور رسول کریم ﷺ آپ پر شاہد ہیں۔ اگر ہم اسلام کا سچے دل سے مطالعہ کریں تو یہ بات صاف طور پر سمجھ میں آ جاتی ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ بناوٹی نہیں تھا اور کہ آپؑ پر ایمان لانا دراصل رسول کریم

ﷺ کی صداقت کا اقرار کرنا ہے اور آپؐ کے دعویٰ پر غور کر کے ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی دنیا کے لئے آخری نجات دہندہ ہیں۔

کیا مسیح موعود آسمان سے نازل ہوگا؟

ابتداء میں چونکہ بعض سوالات پیدا ہوتے ہیں اس لئے پہلے میں ان کو لیتا ہوں۔ سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم جس شخص کے آنے کے منتظر ہیں' وہ آسمان سے آنے والا ہے اور جب مرزا صاحب آسمان سے نہیں اترے تو ہم کس طرح سمجھ لیں کہ آپ ہی وہ ہیں۔ میں سمجھتا ہوں ہمارے مبلّغین نے کل اور آج کی تقریروں میں اس سوال پر بحث کی ہوگی اس لئے مجھے اس کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اجمالی طور پر بعض باتیں مَیں بیان کرتا ہوں۔ اگر ہم ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کریں تو ماننا پڑے گا کہ واقعی آسمان سے کسی آنے والے کی انتظار ہمیں نہیں کرنی چاہیئے بلکہ چاہیئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیض سے ہی پیدا شدہ کوئی شخص کھڑا ہو کر آپ کی امت کی اصلاح اور تنظیم کرے۔

صحابہ کرام کا عقیدہ

اس مسئلہ پر غور کرتے ہوئے پہلی چیز یہ ہے کہ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ صحابہ کرام کس بات کے منتظر تھے۔ جو عقیدہ ان تک پہنچے گا وہی صحیح ہوگا کیونکہ وہ لوگ ہر وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت میں بیٹھنے والے تھے اور انہوں نے جو کچھ اخذ کیا آپؐ سے کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات پر ایک ایسا واقعہ ہوا جو صاف طور پر ثابت کر رہا ہے کہ صحابہ کرام آسمان سے کسی کے آنے کے منتظر نہ تھے اور اس واقعہ کو اگر کوئی مسلمان اُن جذبات محبت کے ماتحت پڑھے گا جو ایک مسلمان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہونے چاہئیں تو اسے مجھ سے متفق ہونا پڑے گا۔ احادیث میں آتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو صحابہ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ابھی منافق موجود ہیں اس لئے ابھی آپؐ کی وفات بے موقع ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ آپؐ کی ذات سے ان لوگوں کو اتنی محبت تھی کہ آپؐ کی زندگی کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی چیز انہیں پیاری نہ لگتی تھی اور اپنے عشق کے نشہ میں وہ یہ خیال بھی نہ کر سکتے تھے کہ آپؐ ان سے جُدا ہو جائیں گے۔ ان کے عشق کا ایک واقعہ مجھے یاد آ گیا جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس طرح عورتیں تک آپؐ سے اخلاص کے نشہ میں مخمور تھیں۔ جنگِ اُحد میں غلط طور پر یہ مشہور ہو گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہید ہو گئے ہیں مگر بات صرف یہ تھی کہ آپؐ سخت زخمی ہونے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ جو لوگ

اس وقت آپؐ کی حفاظت کر رہے تھے ان میں سے بعض شہید ہوئے اور ان کی لاشیں آپؐ کے اوپر گر گئیں۔ اس سے یہ خبر پھیل گئی کہ آپ شہید ہو گئے ہیں لیکن جب صحابہ کرام نے باہر نکالا تو معلوم ہوا کہ آپؐ زندہ ہیں۔ آپؐ کی شہادت کی خبر مدینہ میں بھی پہنچ گئی۔ اس واقعہ کے چند گھنٹے بعد آپؐ مدینہ واپس آ گئے لیکن آپ کی آمد سے قبل عورتیں اور بچے سب روتے اور بلکتے ہوئے شہر سے باہر نکل آئے۔ ایک صحابی گھوڑا دوڑاتے ہوئے سب سے آگے جا رہے تھے۔ وہ جب ان عورتوں کے پاس پہنچے تو ان میں سے ایک نے سوال کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کیا حال ہے؟ اس نے چونکہ آپؐ کو اپنی آنکھوں سے زندہ دیکھا تھا اور اس کے دل سے بوجھ ہٹ چکا تھا اس لئے اس نے سوال کا جواب تو نہ دیا بلکہ یہ کہا کہ تیرا باپ مارا گیا ہے۔ مگر اس عورت نے کہا میں نے باپ کا تم سے کب پوچھا ہے مجھے تو یہ بتاؤ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ صحابی کا دل چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ ہونے کی خوشی سے بھرا ہوا تھا اس لئے پھر اس نے اس کے سوال کی طرف توجہ نہ کی اور کہا تیرا بھائی بھی مارا گیا مگر اس عورت نے پھر کہا کہ میں نے تجھ سے یہ سوال کیا کب ہے؟ میں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھ رہی ہوں۔ اس نے پھر بھی اس سوال کی اہمیت کو نہ سمجھا اور کہا کہ تیرا خاوند بھی شہید ہو گیا ہے مگر اس عورت نے کہا میں نے تم سے خاوند کے متعلق کب پوچھا ہے؟ تم یہ بتاؤ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا آپؐ تو خدا کے فضل سے زندہ سلامت ہیں۔ اس پر اس عورت نے کہا پھر کوئی پرواہ نہیں خواہ کوئی مارا جائے [۲]۔ تو یہ ان لوگوں کے عشق کا حال تھا۔ ایک فدائیت کی روح تھی جو ان کے اندر کام کر رہی تھی اور وہ یہ سننا بھی گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وفات پا گئے ہیں۔ جب آپ کی وفات ہوئی تو اس خبر کو سن کر حضرت عمرؓ اتنے جوش میں آئے کہ آپ نے کہا جو یہ کہے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوت ہو گئے ہیں، مَیں اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔ آپ تو موسیٰؑ کی طرح آسمان پر گئے ہیں، اللہ تعالیٰ سے باتیں کر کے واپس آئیں گے اور منافقوں کی اچھی طرح خبر لیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ اس وقت مدینہ میں نہ تھے بلکہ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ بعض صحابہ نے آپ کے پیچھے آدمی دوڑائے کہ جلدی آیئے اسلام میں ایک فتنہ پیدا ہونے لگا ہے۔ چنانچہ آپ آئے اور سیدھے اندر چلے گئے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کے منہ سے چادر اُٹھائی، جُھکے، پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں اللہ

تعالیٰ آپؐ پر دو موتیں وارد نہیں کرے گا۔ پھر آپ باہر آ کر کھڑے ہوئے اور آیت کریمہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ تلاوت کر کے فرمایا۔ اے مسلمانو! محمد اللہ تعالیٰ کے رسول تھے خدا نہیں تھے آپؐ سے پہلے جتنے بھی رسول ہوئے وہ سب فوت ہو چکے ہیں اگر آپؐ فوت یا قتل ہو جائیں تو کیا تم ایڑیوں کے بَل پھر جاؤ گے۔ پھر فرمایا۔ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّداً فَاِنَّ مُحَمَّداً قَدْمَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَايَمُوْتُ [۳] یعنی جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پوجتا تھا، وہ سمجھ لے کہ آپؐ فوت ہو چکے ہیں اور جو خدا کی پرستش کرتا تھا، وہ مطمئن رہے کہ خدا ہمیشہ زندہ ہے۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے یہ بات سنی تو مجھے یقین ہو گیا کہ میری غلطی تھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واقعی فوت ہو گئے ہیں۔ اس پر میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکلنے لگی اور میں گر پڑا [۴]۔ دوسرے صحابہ بھی بیان کرتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ہمارے پاؤں تلے سے زمین نکلی جا رہی ہے۔ وہ بے تحاشا مدینہ کی گلیوں میں دیوانہ وار بھاگے پھرتے اور حضرت حسّانؓ کے یہ شعر پڑھتے تھے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کی خبر سن کر انہوں نے بے اختیار کہے تھے۔

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ
فَعَمِیَ عَلَيْكَ النَّاظِرُ
مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ
فَعَلَيْكَ كُنْتُ اُحَاذِرُ [۵]

یعنی تُو میری آنکھ کی پُتلی تھا۔ تیری موت سے میری آنکھیں اندھی ہو گئیں اب تیرے بعد کوئی مرے یا جیئے ہمیں کیا۔ ہمیں تو تیری زندگی کی پرواہ تھی۔ یہ واقعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے معاً بعد ہوا جسے کوئی مسلمان سوائے اس کے کہ اس کی آنکھیں پُرنم ہو جائیں اور آواز کانپنے لگے، پڑھ یا سن نہیں سکتا۔ اگر صحابہؓ کا عقیدہ یہ ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں اور پھر آئیں گے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ کیوں کہتے کہ آپؐ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر گئے ہیں۔ انہیں تو یہ کہنا چاہئے تھا کہ جس طرح حضرت عیسیٰ آسمان پر گئے تھے آپؐ بھی گئے ہیں۔ پھر حضرت ابوبکرؓ اس آیت سے استنباط کرتے ہیں جس میں یہ ذکر ہے کہ سب رسول فوت ہو چکے ہیں اگر صحابہؓ میں کوئی شخص حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر جانے کا

عقیدہ رکھنے والا ہوتا تو وہ کھڑا ہو کر اس وقت یہ نہ کہتا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر رہنا شرک نہیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آسمان پر جانے سے شرک کیونکر لازم آسکتا ہے؟ مگر اس وقت سب خاموش رہتے ہیں اور کوئی کچھ نہیں کہتا جو ثبوت ہے اس بات کا کہ اس عقیدہ کا کوئی بھی شخص ان میں نہ تھا۔

رسول کریمؐ منبعِ ہدایت ہیں

دوسری چیز جو اس ضمن میں مَیں پیش کرتا ہوں یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْبَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ [۶] یعنی اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر احسان کیا۔ ہر شخص جو مؤمن کہلانا چاہتا ہے غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک رسول بھیجا' وہ اس کی آیات پڑھ کر سُناتا ہے' پاک کرتا ہے' کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اگرچہ سب کے سب پہلے گمراہ تھے پہلی بات جو اس آیت میں بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی میں اور اس کے بعد ہر شخص ایمان آپؐ سے حاصل کرے گا۔ دوسری یہ کہ آپؐ سے ایمان حاصل کرنے سے پہلے وہ گمراہ ہوگا گویا تمام وہ لوگ جو آپؐ کے زمانہ میں ہوئے یا آپؐ کے بعد' وہ آپؐ کا کلمہ پڑھنے سے قبل گمراہ ہیں۔ اب غور کرنا چاہئے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آئیں تو اس آیت کے ماتحت وہ کیا ہوں گے۔ اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے بعد کوئی ایک لحہ بھی دنیا پر ایسا نہیں آیا اور نہ آئے گا کہ جب آپؐ کے بغیر بھی کوئی شخص ہدایت یافتہ کہلا سکے گا جو بھی ہدایت لے گا' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے گا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عیسیٰ علیہ السلام نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ضلال میں سے آئیں گے؟ غور کرو! اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کا عقیدہ رکھ کر اس امر سے انکار کیا جائے تو قرآن کریم کی آیت غلط ٹھہرتی ہے اور اگر یہ مانا جائے تو اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہتک ہے۔

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کام یہ ہے کہ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ گویا غیر' اللہ کی آیات نہیں سُنا سکتے۔ یہ تو عام بات ہے کہ شاگرد کا کام استاد کی طرف تو منسوب ہوسکتا ہے اور اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ ہدایت حاصل کرنے والے مصلحین کا کام اور ان کا آیات پڑھنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے منسوب ہوسکتا

ہے لیکن جو آپؐ کی بعثت سے قبل کا پڑھا ہوا ہو' اس کا کام آپؐ کی طرف کیونکر منسوب ہوسکتا ہے۔ مثلاً میں نے جو کچھ پڑھا ہے یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پڑھا ہے کیونکہ اگر آپؐ نہ پڑھتے تو میں کس طرح پڑھ سکتا لیکن حضرت عیسیٰؑ دوبارہ آ کر جو تلاوتِ آیات کریں گے' وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف منسوب نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ تو آپؐ کی بعثت سے پہلے کے ہی پڑھے ہوئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے وَيُزَكِّيهِمْ یعنی آپؐ سب کا تزکیہ کریں گے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت عیسیٰؑ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ گندے ہو کر آئیں گے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کا تزکیہ کریں گے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے بعد آپؐ کے بغیر کوئی شخص پاک نہیں ہوسکتا۔ انبیاء ہمیشہ یا تو تکمیل کیلئے آتے ہیں جیسے موسوی سلسلہ کے نبی تھے۔ یا پھر اس وقت آتے ہیں جب ساری قوم خراب ہو جائے اس لئے یا تو تسلیم کرو کہ قرآن کریم نامکمل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے مکمل کرنے کیلئے آئیں گے۔ یا یہ مانو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد جب حضرت عیسیٰؑ آئیں گے تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ غیر مزکی اور گندے ہوں گے اور یہ کتنا بڑا حملہ ہے' پھر غور کرو حضرت عیسیٰؑ آ کر جن لوگوں کو پاک کریں گے' وہ کس کے کھاتے میں لکھے جائیں گے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے ہدایت پانے کا ثواب منبعِ ہدایت تک پہنچتا ہے اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے ذریعہ جو لوگ ہدایت پائیں گے' ان کا ثواب کس کو پہنچے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تو پہنچ نہیں سکتا کیونکہ حضرت عیسیٰؑ نے جو کچھ سیکھا' اللہ تعالیٰ سے براہِ راست سیکھا ہے۔ پس کیا اس بات سے مسلمانوں کے دل خوش ہوتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ ضرور آ جائیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقیات بے شک قیامت تک کے لئے رُک جائیں۔ ہم تو ایسے کھاتہ کو پھاڑ ڈالیں گے جس میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ ہو۔ صحابہؓ کا تو یہ حال تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے علیحدہ ہو کر کسی نیکی کا ثواب بھی حاصل نہ کرنا چاہتے تھے۔ بخاری اور احادیث کی دوسری کتب میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایک دفعہ جب کہ حج کیلئے مکہ میں گئے ہوئے تھے۔ منیٰ کے مقام پر نماز کی دو رکعتوں کی بجائے چار رکعتیں پڑھ لیں حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں صرف دو پڑھا کرتے تھے اس پر صحابہؓ میں ایک ہیجان تو ضرور پیدا ہوا مگر انہوں نے خلیفہ کی اقتداء میں چار ہی پڑھ لیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا میں تو دو رکعت ہی پڑھاؤں گا لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دو رکعت ہی پڑھاتے تھے۔ میں نے خلیفہ وقت کی پیروی کرتے ہوئے پڑھی تو چار ہی ہیں مگر دعا یہ کی ہے کہ خدایا! میں نے رسول اللہ ؐ کے پیچھے دو پڑھی تھیں، اس لئے مجھے دو کا ہی ثواب عطا ہو^ے۔ میں سمجھتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے چونکہ مکہ میں شادی کی ہوئی تھی۔ اس لئے اپنے آپ کو وہاں مسافر نہ سمجھتے تھے۔ مگر عبداللہ بن مسعود کو گوارا نہ ہوا کہ جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اقتداء میں انہوں نے دو رکعت کا ثواب حاصل کیا تھا وہاں آپ ؐ کے بغیر چار کا ثواب حاصل کریں۔ مگر آج مسلمان اپنے عقیدہ کے لحاظ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ قیامت تک کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو چھوڑ کر ساری نیکیاں حضرت عیسیٰؑ کے نام لکھ دی جائیں۔ کیا کسی مومن کی غیرت اسے برداشت کرسکتی ہے؟

نبی کی آمد ضروری ہے

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ مانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں آئیں گے مگر ہم کسی کی آمد مانتے ہی نہیں، نہ آسمان سے نہ زمین سے اور کسی کے آنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس سوال کا جواب سورۃ فاتحہ میں ہے جسے نماز پڑھنے والے دن میں کم سے کم پچاس دفعہ پڑھتے ہیں اور ہر روز دعا کرتے ہیں کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَاالضَّآلِّیْنَ [۸] یعنی اے خدا ہمیں سیدھا راستہ دکھا، وہ رستہ جو منعم علیہ گروہ کا ہے اور ہم مغضوب اور ضال نہ ہوں، جن لوگوں پر تو نے غضب نازل کیا یا جو آپ تجھے چھوڑ گئے، ان میں ہمیں شامل نہ کیجیو، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے مراد یہود اور نصاریٰ لئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اُمّتِ محمدیہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد بگاڑ ممکن تھا یا نہیں۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کسی روحانی مصلح کے آنے کی ضرورت ہی نہیں، ان کو غور کرنا چاہیئے کہ اگر بگاڑ ممکن ہے تو آنے والے کی ضرورت بھی ثابت ہے تاکہ وہ اصلاح کرے اور قرآن کریم سے ثابت ہے کہ بگاڑ ممکن ہے کیونکہ جب یہ دعا موجود ہے کہ ہم مغضوب اور ضال نہ بنیں، تو ظاہر ہے کہ بگاڑ ممکن تھا وگرنہ جو کام ہونا ہی نہیں تھا، اس کے لئے دعا سکھانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر کہا جائے یونہی دعا ہے تو ہم کہیں گے یہ دعا کیوں نہ سکھلائی کہ ہم فرشتے بن جائیں۔ کوئی انسان زمینی کیڑا نہیں بن سکتا، سورج چاند نہیں بن سکتا، اس لئے اس سے بچنے کیلئے کوئی دعا نہیں سکھائی گئی، اللہ تعالیٰ اس سے بچنے کی دعا سکھاتا ہے جو ممکن ہے۔ اب اگر یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں نے نہیں بگڑنا تھا تو یہ دعا کیوں روز ہمارے ذمہ لگادی کہ ۵۰ دفعہ پڑھا کرو۔ اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ سخت خطرہ تھا۔ پھر میں کہتا ہوں دلائل کو جانے دو' اپنے نفسوں کو ٹٹولو۔ کیا آج کے مسلمان وہی ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدا کرنا چاہتے تھے۔ بحث اور ہار جیت کے خیال کو دل سے نکال کر ہر شخص اپنے گھر میں دروازے بند کر کے بیٹھے اور مخلّی بالطبع ہو کر غور کرے کیا مَیں وہی مسلمان ہوں جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدا کرنا چاہتے تھے اور پھر دیانتداری کے ساتھ اس کا نفس جو جواب دے' وہ آ کر مجھے بتائے۔ پھر اپنے محلے والوں' اپنے گاؤں یا شہر والوں' اپنے ضلع اور صوبہ والوں کے متعلق یہی سوال کرے کہ کیا یہ وہی مسلمان ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بنانا چاہتے تھے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ سَو میں سے سَو کو یہی جواب ملے گا کہ ہرگز نہیں اور جب یہ حالت ہے تو مسلمان غیر مسلموں میں تبلیغ کیسے کر سکتے ہیں۔ آج ہی اس کا تجربہ کر لو غیر مسلمانوں کے پاس جا کر تبلیغ کرو ان میں سے ہر ایک یہی جواب دے گا کہ اگر یہی مسلمان ہیں جو اسلام پیدا کرنا چاہتا تھا' تو ہم ان سے دور ہی اچھے ہیں۔ پھر خود اپنی حالت کو دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو مسلمان پیدا کرنا چاہتے تھے' ان کی یہ حالت تھی کہ ابتدائی ایام میں جب آپ نے مردم شماری کا حکم دیا اور مسلمان سات سَو نکلے تو اس پر صحابہؓ نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ہم حیران ہیں آپؐ نے کیوں مردم شماری کرائی۔ کیا آپؐ کا یہ خیال ہے کہ دنیا ہمیں مٹا دے گی' اب تو ہم سات سَو ہو گئے ہیں' اب ہمیں کیا خدشہ ہو سکتا ہے اور ہم پر دنیا میں کون فتح پا سکتا ہے۔ مگر کُجا یہ کہ آج باوجود اس کے مسلمان کروڑوں کی تعداد میں ہیں ہر مسلمان کی گردن دوسروں کے ہاتھ میں ہے کسی لحاظ سے بھی انہیں حُریت اور آزادی نصیب نہیں اور دوسروں کے ڈر کے مارے ان کی جان نکلتی ہے۔ پھر اپنے نفسوں سے پوچھنے کو بھی جانے دو۔ آؤ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی پوچھتے ہیں کہ آپؐ کی اُمّت میں بگاڑ ممکن ہے یا نہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں۔ مجھے اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جس طرح ایک جوتی دوسری جوتی سے مشابہ ہے اسی طرح میری اُمت میں بھی یہود کے مشابہ لوگ ہو جائیں گے اور اسی طرح ان کا تتبع کریں گے[9]۔ گویا آپؐ نے یہ خبر دی ہے کہ یہودیت اور نصرانیت کا رنگ پیدا ہو جائے گا۔ چلو ہم مان لیتے ہیں کہ یہ حالت آج نہیں لیکن یہ تو ماننا پڑے گا کہ یہ حالت پیدا ضرور ہوگی اور جب وہ حالت پیدا ہوگی تو کسی روحانی مصلح کو اس وقت آنا چاہئے یا نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ مسلمان تو ضرور یہود کے ہمرنگ ہو جائیں گے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مصلح کی ضرورت نہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ آپ کا آنا کوئی رحمت نہیں بلکہ زحمت ہو گیا۔ آپؐ کے آنے سے نیکی کا رستہ تو بند ہو گیا مگر شر کا نہیں۔ وگرنہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح شیطان کے نمائندے دنیا میں موجود ہیں' اسی طرح محمد مصطفیٰ کے نمائندے بھی آتے رہیں گے۔ گویا عقلی طور پر بھی ثابت ہو گیا کہ جب مسلمانوں میں گمراہی ہوگی تو اس کے دور کرنے والے بھی ہونے چاہئیں۔ پھر قرآن کریم سے بھی یہ ثابت ہے۔ سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ یہ دعا سکھاتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ یعنی ہر مسلمان دن میں کئی بار کہے کہ ہمیں ان لوگوں کا سیدھا رستہ دکھا جن پر تو نے انعام کئے ہیں۔ پھر دوسری جگہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جو نصیحتیں ہم مسلمانوں کو کرتے ہیں' اگر یہ ان پر عمل کریں گے تو ان کیلئے یہ بہت اچھی بات ہوگی اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں قائم کر دے گا۔ اگر ان کے اندر خرابی پیدا ہوگی تو ہم ان کی اصلاح کا بندوبست کر دیں گے اور صراطِ مستقیم دکھائیں گے چنانچہ فرمایا ہے۔ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ؁[۱] یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے' وہ اس جماعت میں شامل ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے نعمتیں نازل کیں اور وہ نبیوں' صدیقوں' شہیدوں اور صالحین کی جماعت ہے اور یہ بڑے اچھے ساتھی ہیں اور یہ انعامات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہ ملیں تو اور کس کو ملیں؟ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور وہ خوب جانتا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کو کیا ضرورتیں پیش آئیں گی اور انہیں پورا کرنے کا اس نے مکمل انتظام کر دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہاں مَعَ کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہوں گے ان کو جو درجے حاصل ہوئے وہ حاصل نہ ہوں گے مگر قرآن کریم میں دوسری جگہ آتا ہے۔ وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ[۱] کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ دنیا میں جب کوئی نیک بندہ مرے تو ساتھ ہی یہ دعا کرنے والوں کی جان بھی نکل جائے یا یہ کہ ہمیں نیک کر کے ماریو؟ پھر دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَاءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ[۲] یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور پہلے رسولوں پر بھی وہ صدیق اور شہداء میں شامل ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت کو کوئی چیز زائد ملنے والی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے وعدہ کرتا ہے کہ ان کو اس دنیا میں اسی طرح جانشین بنائے گا جس طرح پہلی قوموں میں اس نے بنائے اور جو انعام اُن پر کئے وہی اِن پر بھی کرے گا۔ اب ہم قرآن کریم میں دیکھتے ہیں کہ وہ کیا انعام

تھے۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔وَاِذْقَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْجَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَاءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا [۳] یعنی جب حضرت موسیٰؑ نے اپنے قوم سے کہا کہ یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جب اس نے تم میں نبی اور بادشاہ بنائے۔گویا نبوت اور بادشاہت دونوں نعمتیں ہیں۔دوسری جگہ آتا ہے کہ مسلمانوں میں منعم علیہ گروہ ہوگا۔جس کے معنی یہ ہوئے کہ ان میں بھی بادشاہ اور نبی ہوں گے۔اب بادشاہ تو مسلمانوں میں ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے سینکڑوں سال تک متمدّن دنیا کو اپنے زیرِ نگین رکھا۔پھر کیا یہ عجیب بات نہ ہوگی کہ نبی کوئی بھی نہ ہو۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر یہ وعدہ کیا ہے کہ مسلمانوں کو وہی انعام ملیں گے جو پہلے لوگوں کو ملے۔پس ضروری ہے کہ مسلمانوں میں سے بھی کسی کو نبوت کا درجہ عطا ہو۔

دعویٰ سے پہلی بے عیب زندگی

کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اچھا یہ بھی مان لیا کہ روحانی مصلح آنے والا ہے لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ مرزا صاحب ہی ہیں؟ گویا یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ بانی سلسلہ عالیہ احمد یہ اپنے دعویٰ میں سچے تھے یا نہیں۔اس کے لئے ہم قرآن کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت دیکھتے ہیں اور اگر وہی ثبوت حضرت مرزا صاحب کے متعلق پائے جائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ آپ بھی سچے ہیں۔

قرآن کریم میں اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ [۴] میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مخاطبین کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ غور کرو! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا دعویٰ تمہارے سامنے ہے جسے سن کر قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اسے کیوں مانیں۔ہم اس سوال کو تسلیم کرتے ہیں مگر تم سوچو تو سہی کہ ان دلائل کی موجودگی میں کیا یہ ردّ کرنے کے قابل ہے۔

اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کے تین دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ پہلی بات اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ ہے۔یعنی کیا وہ شخص بھی جو یہ دلائل رکھتا ہو اور یہ دلائل خدا کی طرف سے ہوں، انکار کے قابل ہوسکتا ہے۔اس کی صداقت کی پہلی دلیل تو یہ ہے کہ اسے وہ دلائل حاصل ہیں جنہیں بندہ بنا ہی نہیں سکتا۔ایسے دلائل قرآن کریم میں بیسیوں ہیں۔مگر میں اس وقت صرف چند ایک کو لوں گا۔سورہ یونس میں آتا ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ [۵] اور یہ ایک ایسی بات ہے جو انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔اگر کوئی

شخص ڈھونگ رچائے تو وہ زیادہ سے زیادہ دو چار ماہ پہلے نمازوں کی پابندی کرے گا اور اپنے آپ کو نیک پاک ظاہر کرنے لگے گا۔ وہ اسی دن سے اس کا اہتمام شروع کرے گا جس دن سے کہ اس نے لوگوں کو لوٹنے اور ٹھگنے کا ارادہ کیا ہوگا' پہلے نہیں کیونکہ پہلے تو اسے پتہ ہی نہ تھا کہ اس نے آگے چل کر کیا کرنا ہے۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں سے کہو کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ میں نے جھوٹ بنایا ہے' تو اتنا تو خیال کرو کہ میں نے اپنی ساری عمر تم لوگوں میں بسر کی ہے' تم ہی میں مَیں پیدا ہوا' تم ہی میں مجھ پر جوانی کا عالم آیا اور تم ہی میں اُدھیڑ عمر آئی' اتنے عرصہ میں کبھی تم نے مجھے جھوٹ بولتے دیکھا۔ اگر نہیں تو پھر کیوں عقل نہیں کرتے۔

بچپن کی نیکی کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہوتی اور یہ زمانہ کُلّیۃً خدا کے قبضہ میں ہوتا ہے۔ آپؐ کفار کے سامنے یہ بات پیش فرماتے ہیں کہ تم لوگوں میں ہی مَیں نے اپنا بچپن گزارا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ جب میں چھ سات سال کا تھا اُس وقت مجھے علم تھا کہ مَیں بڑا ہو کر ایسا دعویٰ کروں گا کہ مَیں اُسی وقت سے پاکیزہ رہنے کی کوشش کرتا؟ آپؐ کے اس سوال کے جواب میں آپؐ کے تمام رشتہ دار' بھائی' دوست بلکہ دشمن بھی ساکت ہو گئے۔ پھر جوانی کا زمانہ آیا کون ہے جو ۱۷۔ ۱۸ سال کی بھرپور جوانی کے ایام اس وجہ سے نیک رہ کر گزارے کہ ۴۰ سال کی عمر کو پہنچ کر کوئی دعویٰ کروں گا۔ ظاہر ہے کہ یہ دن بھی خدا کے قبضہ میں ہوتے ہیں۔ خصوصاً ایسے لوگوں کی جوانی کے دن جن کے سامنے لالچ آتے ہوں۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے سامنے لالچ آتے ہی نہیں مگر آپ کے سامنے لالچ آئے۔ دنیا نے طرح طرح کے لالچوں کے ذریعہ آپ کو اپنی طرف کھینچنا چاہا مگر آپؐ اس سے جُدا رہے۔ پھر اُدھیڑ عمر آئی اس میں بھی آپ نے وہ نمونہ دکھایا کہ کوئی حرف نہ رکھ سکا۔ حضرت ابوبکرؓ جو آپؐ کے خاص دوست تھے جب آپؐ نے دعویٰ کیا' اس وقت وہ باہر گئے ہوئے تھے واپس آئے تو ایک دوست سے ملنے گئے اس کے مکان پر بیٹھے تھے کہ اس کی لونڈی آئی اور آکر کہا ابوبکر تمہیں معلوم ہے' تمہارا دوست تو سودائی ہو گیا۔ آپؐ نے پوچھا کون سا دوست۔ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام لیا۔ آپ نے دریافت کیا وہ کیا کہتا ہے۔ لونڈی نے بتایا وہ کہتا ہے خدا مجھ سے باتیں کرتا ہے۔ آپ نے کہا اگر وہ ایسا کہتا ہے تو ٹھیک کہتا ہے۔ اگر آپؐ کا پہلا کیریکٹر خدا تعالیٰ کے خاص تصرّف کے ماتحت بے عیب نہ ہوتا تو کیوں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک منٹ کیلئے شُبہ پیدا نہ ہوا۔ آپ اسی وقت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان پر گئے اور دستک دی۔ آپؐ باہر تشریف لائے تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں ایک بات پوچھنے آیا ہوں۔ آپؐ نے کوئی ایسا دعویٰ کیا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیال کیا معلوم نہیں۔ میرے دعویٰ کو سن کر اس پر کیا اثر ہوا ہے۔ اس لئے کچھ دلائل بیان کرنے لگے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے کہا مجھے دلائل کی ضرورت نہیں صرف یہ فرمائیں کہ آپ نے دعویٰ کیا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں کیا ہے حضرت ابوبکرؓ نے فوراً کہہ دیا میں اس پر ایمان لاتا ہوں [۱۶]۔ گویا انہوں نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ کوئی دلیل سنیں کیونکہ پہلی دلیل جو آپ کے سامنے موجود تھی۔ اس زمانہ کے لوگوں میں بھی اس قسم کی ایک مثال مجھے یاد آ گئی۔ لدھیانہ کے رہنے والے ایک میاں نظام الدین صاحب تھے اگرچہ اَن پڑھ تھے مگر بہت نیک آدمی تھے۔ انہوں نے کئی حج بھی کئے۔ بعض اوقات حجِ بدل کرآتے اور اگر یہ انتظام نہ ہوسکتا تو پیدل ہی چل پڑتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ سے پہلے وہ آپ اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی دونوں کے دوست تھے۔ آپ نے جب دعویٰ کیا اور مولوی محمد حسین صاحب نے مخالفت شروع کی تو انہوں نے ان کو خط لکھوایا کہ آپ جلدی نہ کریں مرزا صاحب میرے دوست ہیں آپ کیوں یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ خدا پر جھوٹ بولیں گے۔ یقیناً ان کو غلط فہمی ہوئی ہوگی یا پھر لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ وہ خدا پرست آدمی ہیں میں ان کے پاس جاؤں گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ قرآن سے انحراف نہیں کریں گے اس لئے ان کو سمجھا لوں گا۔ چنانچہ آپ قادیان آئے مولوی محمد حسین صاحب ان دنوں لاہور میں تھے، حضرت خلیفہ اوّلؓ بھی وہیں تھے، مولوی محمد حسین صاحب آپ سے مباحثہ کی طرح ڈال رہے تھے، میاں نظام الدین صاحب قادیان پہنچے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے۔ آپ نے کہا ہاں۔ وہ کہنے لگے اگر قرآن کریم سے سَو پچاس ایسی آیات آپ کو دکھا دی جائیں جن سے حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام ثابت ہوتی ہو تو کیا آپ مان جائیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا سَو پچاس آیتوں کی ضرورت نہیں۔ آپ صرف ایک آیت ہی بتا دیں میں مان جاؤں گا۔ انہوں نے کہا اچھا میں دس آیات لے آؤں گا۔ چنانچہ وہ مولوی محمد حسین صاحب کے پاس لاہور پہنچے اور ان سے کہا کہ میں مرزا صاحب کو منا آیا ہوں آپ صرف اتنا کیجئے کہ دس آیات ایسی مجھے لکھ دیں جن سے حیاتِ مسیح ثابت ہوتی ہو میں اُن کو جا کر دکھاؤں گا اور وہ مان جائیں گے۔ وہ تو ایک ہی آیت دیکھ کر مان لینے پر آمادہ تھے مگر

میں نے دس کا وعدہ ان سے کیا ہے۔ یہ سن کر مولوی محمد حسین صاحب سخت ناراض ہوئے اور کہنے لگے جاہل! لوگوں کو کس نے کہا ہے کہ مذہبی معاملات میں دخل دیں۔ میں دو ماہ کی بحث کے بعد انہیں حدیث کی طرف لا رہا تھا' یہ پھر قرآن کی طرف لے گئے۔ اب ان کا ایمان دیکھو۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے تو کیا قرآن آپ کے ساتھ نہیں اگر ایسا ہی ہے تو جدھر قرآن ہے اُدھر ہی ہم ہوں گے۔

ایسے نمونے اب بھی موجود ہیں۔ مومن صرف یہ دیکھتا ہے کہ آنے والی آواز خدا کی طرف سے ہے یا نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کی یہ شہادت سب غیر مسلموں کیلئے ہوسکتی ہے۔ آپ کے دعویٰ کے بعد سینکڑوں ہزاروں آپؐ کے دشمن کھڑے ہو گئے تھے اور مشہور ہے ''دشمن بات کہے انہونی'' مگر کسی نے یہ نہیں کہا کہ آپؐ کی دعویٰ سے پہلے کی زندگی پر کوئی حرف گیری ہوسکتی ہے اور سوچنے کی بات ہے جب ایک شخص رات کو اس حالت میں سوئے کہ اس نے کبھی انسانوں کے متعلق بھی جھوٹ نہ بولا ہو' تو یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ صبح کو وہ اُٹھے اور خدا پر جھوٹ بولنے لگ جائے۔ یہی دلیل حضرت مرزا صاحب پر بھی چسپاں ہوسکتی ہے آپ بھی خدا کی طرف سے بیّنہ پر ہیں۔ آپ کا بھی الہام ہے۔ وَلَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُراً مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ [۱۷] اور یہ ایک مستقل الہام ہے کیونکہ قرآن کریم میں فَقَدْ ہے اور یہاں وَلَقَدْ ہے۔ بعض لوگ غلطی سے اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیت کو غلط طور پر لکھ دیا ہے۔ حالانکہ آپ کا یہ مستقل الہام ہے۔ ہمیں اب دیکھنا یہ چاہئے کہ حضرت مرزا صاحب کے دعوٰی سے قبل لوگ آپ کے متعلق کیا کہتے تھے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری روئے زمین پر اپنے آپ کو اِس وقت سب سے بڑا مخالف سمجھتے ہیں۔ مگر وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب دعویٰ سے پہلے بہت نیک تھے۔ حتّٰی کہ ایک دفعہ آپ کی زیارت کیلئے پیدل چل کر قادیان آئے۔ دوسرے مخالف مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تھے جنہوں نے دعویٰ کے بعد آپ کے متعلق کفر کا فتویٰ شہر بہ شہر پھر کر تیار کرایا۔ مگر وہ بھی آپ کی مشہور تصنیف براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تألیف نہیں ہوئی'' اور آئندہ کی خبر نہیں لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا کہ ''اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی وجانی وقلمی ولسانی وحالی وقالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے'' [۱۸]

دیکھو ایک طرف غیر احمدی مولویوں کا یہ عقیدہ ہے کہ کسی کو فلاں سے بڑا اور فلاں سے افضل نہیں کہنا چاہئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو حضرت امام حسینؓ سے بڑا کہا ہے لیکن جب آپ نے ابھی دعویٰ نہیں کیا تھا اس وقت مولوی محمد حسین صاحب نے کہا کہ تیرہ سَو سال کے عرصہ میں اسلام کا اتنا بڑا خادم کوئی نہیں پیدا ہوا۔ یہ نہیں کہ آپ ایک اچھا نمونہ ہیں بلکہ یہ کہ تیرہ سَو سال کے عرصہ میں اسلام میں آپ کی کوئی مثال ہی نہیں ملتی اور یہ اتنی بڑی شہادت ہے کہ جو بھی اس پر غور کرے، اسے ماننا پڑے گا کہ آپ کی زندگی بے عیب تھی۔ پھر کس طرح ممکن ہے کہ ایسا انسان یکدم ایک صبح اٹھ کر کہہ دے کہ خدا نے مجھے یوں کہا ہے حالانکہ خدا نے اسے کچھ نہ کہا ہو۔ رات کو ایسی حالت میں سوئے کہ تیرہ سَو سال کے عرصہ میں اس جیسا خادمِ اسلام کوئی نہ پیدا ہوا ہو، لیکن صبح اُٹھتے ہی بے دین ہو جائے اور بے دین بھی ایسا کہ خدا پر افتراء کرنے لگ جائے۔ ہمارا بیان نہ مانو ان غیر مسلموں اور مخالفوں کو جنہوں نے آپ کا دعویٰ سے قبل کا زمانہ دیکھا ہے کہو کہ اپنے بچوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتے ہوئے کہہ دیں کہ حضرت مرزا صاحب کی زندگی کیسی تھی۔ ہر ایک یہی کہے گا کہ آپ تو ایک ولی اللہ تھے۔

ایک اعتراض کا جواب

بعض لوگ دعویٰ سے پہلی زندگی پر ہمیشہ از راہِ تمسخر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آپ پندرہ بیس روپیہ کے سیالکوٹ میں ملازم تھے۔ اس کے متعلق اوّل تو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک عورت سے نکاح کی خاطر اس کے والد کی دس سال بکریاں چَرائیں اس لئے یہ بیہودہ اعتراض ہے۔ پندرہ بیس روپیہ ماہوار بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تنخواہ سے زیادہ ہی ہیں جو ایک دو روپیہ ماہوار سے زیادہ نہیں بنتی۔ مگر ہم کہتے ہیں اگر آپ دو روپیہ ماہوار پر بھی ملازم ہوتے تو بھی یہ کوئی اعتراض کی بات نہ تھی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوفہ کے لوگ ہمیشہ شرارتیں کرتے رہتے تھے اور عُمال کو بہت تنگ کرتے تھے۔ آپ نے ایک شخص کو جن کا نام عبدالرحمٰن تھا اور جسے انگریزی کتابوں میں SAGACIOUS QAZI کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، وہاں قاضی مقرر کر کے بھیجا اُس وقت ان کی عمر صرف ۱۹ سال کی تھی۔ وہ جب پہنچے تو کوفیوں نے کہا کہ ''گُربہ کشتن روزِ اوّل'' والا معاملہ اس کے ساتھ کرنا چاہئے اور شہر سے باہر جا کر اس کا مذاق اُڑانا چاہئے تا وہ سر نہ اُٹھا سکے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جب ملیں تو اس کی عمر پوچھیں

خود ہی شرمندہ ہو جائے گا۔ وہ شہر سے باہر گئے اور شاندار استقبال کیا اور پھر ایک نے پوچھا آپ کی عمر کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب اسامہؓ کو حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ پر سردار مقرر کر کے بھیجا تھا اس وقت جو اسامہؓ کی عمر تھی' میری اس سے ایک سال زیادہ ہے۔ اس پر وہ لوگ سمجھ گئے کہ اس شخص کو عمرؓ جیسے شخص نے کچھ دیکھ کر ہی یہاں کیلئے چُنا ہے اور آپس میں اشارے کرنے لگے کہ بس اب کوئی شرارت نہ کرنا۔ سو اگر تنخواہ کا بھی کوئی معیار ہے تو بہر حال حضرت مرزا صاحب کی تنخواہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ تھی لیکن ہم اسے نبوت کے لئے کوئی معیار نہیں سمجھتے کیونکہ اگر تنخواہ کا زیادہ ہونا صداقت کا معیار ہو تو سب سے بڑا روحانی انسان ہندوستان کا وائسرے قرار پائے گا جو ساڑھے بائیس ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ پاتا ہے۔ اگر تنخواہ کی کمی بیشی بھی کوئی چیز ہے تو پھر پانچ سات کی کیا شرط ہے۔ امریکہ کے پریذیڈنٹ اور وہاں کے بڑے بڑے کروڑ پتیوں کی فضیلت کو کیوں نہ تسلیم کیا جائے۔ یہ تو وہی سوال ہے کہ کفار نے کہا تھا کہ اگر تو خدا کا رسول ہے تو تیرے پاس اس قدر اموال ہونے چاہئیں کہ تیرا گھر سونے کا ہو۔

سیالکوٹ میں ملازمت کی وجہ اور حکمتِ الٰہی

خیر میں بتاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ جو آپ کو سیالکوٹ لے گیا تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ کو گھر میں کھانے کو نہ ملتا تھا اور معاش کے لئے آپ کو کسی نوکری کی تلاش تھی۔ خدا کے فضل سے گورنمنٹ ہمارے خاندان کو رؤسائے پنجاب میں شمار کرتی ہے' ہماری جائیداد کو دیکھ لو' قادیان کے ہم مالک ہیں اور ان لوگوں سے قبل جنہوں نے سکونت کی غرض سے ہم سے زمین خریدی' کسی کی چپّہ بھر زمین بھی وہاں نہ تھی۔ اس کے علاوہ تین اور گاؤں ہماری ملکیت ہیں اور دو میں تعلّقہ داری ہے۔ پس سوچنا چاہئے کہ اگر مرزا صاحب نے نوکری کی تو ضرور اس میں کوئی اور غرض ہوگی' آپ کے دل کی یا خدا تعالیٰ کی' اور حقیقت یہ ہے کہ اس میں دونوں کی ایک ایک غرض تھی۔ حضرت مرزا صاحب کی ایک تحریر ملی ہے جو آپ نے والد صاحب کے نام لکھی تھی۔ آپ کے والد صاحب آپ کو دنیوی معاملات میں ہوشیار کرنے کیلئے مقدمات وغیرہ میں مصروف رکھنا چاہتے تھے اور آپ کی جو تحریر ملی ہے اس میں آپ نے اپنے والد صاحب کو لکھا ہے کہ دنیا اور اس کی دولت سب فانی چیزیں ہیں مجھے ان کاموں سے معذور رکھا جائے مگر انہوں نے جب آپ کا پیچھا نہ چھوڑا تو آپ سیالکوٹ چلے گئے کہ دن کو

تھوڑا سا کام کر کے رات کو بے فکری کے ساتھ ذکرِ الٰہی کر سکیں۔

دوسری حکمت اس میں یہ ہے کہ قادیان سارا ہماری ملکیت ہے اور اب بھی جن لوگوں نے وہاں زمینیں لی ہیں وہ سب احمدی ہیں اس لحاظ سے بھی گویا وہاں کے لوگ ہماری رعایا ہیں اس لئے وہاں کے لوگوں کی حضرت مرزا صاحب کے متعلق شہادت پر کوئی کہہ سکتا تھا کہ خواجہ کا گواہ مینڈک اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیالکوٹ لا ڈالا جہاں آپ کو غیروں میں رہنا پڑا اور اس طرح خدا تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ ناواقف لوگوں میں سے وہ لوگ جن پر آپ یا آپ کے خاندان کا کوئی اثر نہ ہو آپ کی پاکیزہ زندگی کیلئے شاہد کھڑے کئے جائیں۔ پھر سیالکوٹ پنجاب میں عیسائیوں کا مرکز ہے وہاں آپ کو ان سے مقابلہ کا بھی موقع مل گیا۔ آپ عیسائیوں سے مباحثات کرتے رہتے تھے اور مسلمانوں نے آپ کی زندگی کو دیکھا۔ قادیان کے لوگوں کو آپ کے مزارع کہا جا سکتا تھا مگر سیالکوٹ کے لوگوں کی یہ حیثیت نہیں تھی۔ وہاں کے تمام بڑے بڑے مسلمان آپ کی عُلوِ شان کے معترف ہیں۔ مولوی میر حسن صاحب جو ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے استاد تھے اور جن کے متعلق ڈاکٹر صاحب ہمیشہ اظہارِ عقیدت کرتے رہے ہیں۔ اگرچہ آخر تک سلسلہ کے مخالف رہے مگر وہ ہمیشہ اس بات کے معترف تھے کہ مرزا صاحب کا پہلا کیریکٹر بے نظیر تھا اور آپ کے اخلاق بہت ہی اعلیٰ تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیالکوٹ میں معمولی نوکری اس غرض سے کرائی تھی۔ اس زمانہ میں عیسائیوں کا بڑا رُعب ہوتا تھا اب تو کانگریس نے اسے بہت کچھ مٹا دیا ہے اس زمانہ میں پادریوں کا رُعب بھی سرکاری افسروں سے کم نہ تھا اور اعلیٰ افسر تو الگ رہے' ادنیٰ ملازموں تک کی یہ حالت تھی کہ چٹھی رسان دیہات میں بڑی شان سے جاتے اور کہتے لاؤ مٹھائی کھلاؤ تمہارا خط لایا ہوں۔ تو اس وقت پادریوں کا بہت رُعب تھا لیکن جب سیالکوٹ کا انچارج مشنری ولایت جانے لگا تو وہ حضرت مرزا صاحب کے ملنے کیلئے خود کچہری آیا۔ ڈپٹی کمشنر اسے دیکھ کر اس کے استقبال کیلئے آیا اور دریافت کیا کہ آپ کس طرح تشریف لائے ہیں' کوئی کام ہو تو ارشاد فرمائیں مگر اس نے کہا میں صرف آپ کے اس منشی سے ملنے آیا ہوں۔ یہ ثبوت تھا اس امر کا کہ آپ کے مخالف بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ ایک ایسا جوہر ہے جو قابلِ قدر ہے۔

اسلام کی فضیلت عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ میں دوسری چیز قرآن کریم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوا۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو

اپنے اندر ہی اپنی صداقت کے دلائل رکھتی ہے اور اس پر جو غور کرے، اسے ماننا پڑے گا کہ یہ خدا کی کتاب ہے۔ مثلاً اس کی فطری تعلیمات کو لے لو صاف معلوم ہوگا کہ یہ ایک ایسی ہستی کی طرف سے ہے جو فطرتِ انسانی کو جاننے والی ہے۔ باقی کتب میں یہ بات نہیں ان پر جب اعتراض کیا جاتا ہے تو جواب کے لئے ان کے ماننے والوں کو اپنے دماغوں پر زور ڈالنا پڑتا ہے مگر کامیابی پھر بھی نہیں ہوتی لیکن قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ کوئی اعتراض کرو، جواب اس کے اندر موجود ہے گویا یہ اپنا بوجھ خود اٹھاتا ہے۔ باقی مذاہب کی مثال یہ ہے کہ جو شخص ان کو مانے، وہ اپنی گٹھڑی ان کے سر پر رکھ دیتے ہیں۔ مگر اسلام پر جو ایمان لائے یہ اس کا بھی بوجھ خود اٹھا لیتا ہے اور یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس میں دنیا کا اور کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اسی چیز کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بار بار پیش کرو۔ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا [۱۹] تجھے یہ ایک ایسی تلوار دی گئی ہے کہ اس سے دشمنوں کا مقابلہ کر اور پھر ان کے اندر میری محبت کے جذبات پیدا کر۔ ہر مضمون اس چھوٹی سی کتاب میں موجود ہے۔ ایک عیسائی لکھتا ہے کہ قرآن اناجیل کے مجموعے سے چھوٹا ہے۔ لیکن اناجیل میں صرف ایک مسئلہ رحم بیان کیا گیا اور قرآن میں ساری باتیں موجود ہیں۔ گویا دشمن بھی اس کی اس خوبی کا اعتراف کرتے ہیں اور مانتے ہیں کہ اس میں روحانیت کے متعلق سب باتیں موجود ہیں۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جسے دیکھ کر ہر شخص کو ماننا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک ایسی دلیل ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

حضرت مرزا صاحب اور فہمِ قرآن تیرہ سَو سال کے بعد آج جو اعتراضات پیدا ہوتے ہیں، ان کے جوابات بھی اس کے اندر موجود ہیں جس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور یہ چیز حضرت مرزا صاحب کو بھی دی گئی مگر اس طرح نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوئی نئی کتاب دی بلکہ آپ کو قرآن کریم کا خاص فہم عطا کیا اور یہ بھی ایسی چیز ہے جو بندے کی طاقت سے باہر ہے۔ جس وقت دنیا کے سامنے یہ امر پیش کرنے کی ضرورت ہوئی کہ رسول کریم ﷺ کو جو قرآن ملا وہ آپؐ کی صداقت کی دلیل ہے اس وقت خدا تعالیٰ نے آپ کو خصوصیت کے ساتھ فہم قرآن عطا کیا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ [۲۰] یعنی جب تک کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے پاک نہ کر دیا گیا ہو، قرآن کا خاص فہم حاصل نہیں کرسکتا۔ اس طرح گویا بتا دیا کہ مامورین و مرسلین اور ان کے سچے توابع کے بغیر کسی کو کامل فہم

قرآن کا عطا نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ انعام حاصل ہونے پر بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی تصنیف براہین احمدیہ میں چیلنج دیا کہ اگر کوئی غیر مسلم اپنی مذہبی کتاب میں سے ان خوبیوں کا پانچواں حصہ بھی ثابت کر دے جو میں نے قرآن کریم میں بیان کی ہیں، تو میں اسے اپنی ساری جائداد انعام میں دے دوں گا۔ اس جائداد کی قیمت کا اندازہ اس وقت دس ہزار روپیہ کیا گیا تھا کیونکہ اس زمانہ میں زمینیں بہت سَستی تھیں۔ ہماری برادری ہی کے ایک آدمی نے اس زمانہ میں کچھ زمین سولہ سو کو خریدی تھی جو اَب ڈیڑھ لاکھ میں بِکی ہے۔ تو اس زمانہ میں دس ہزار کے معنی آج کے لحاظ سے لاکھوں روپیہ کے تھے۔ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ چیلنج دیا مگر آج تک کسی نے اسے قبول نہیں کیا۔ اب بھی وہ کتاب موجود ہے اور اس کے چیلنج کو ہم آج بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کی تفسیر اور عربی لکھنے کے متعلق بھی آپ نے چیلنج دیئے کہ قرآن کریم کی اتباع کی وجہ سے مجھے یہ نعمتیں عطا ہوئی ہیں اور ان میں میرا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ کوئی سامنے نہیں آیا۔

پروفیسر مارگولیتھ جو اسلام کے بڑے مخالف اور بڑے مصنف ہیں وہ ایک دفعہ مجھ سے ملنے کے لئے قادیان آئے اور کہنے لگے۔ کوئی ایسی بات پیش کریں جو میرے لئے حُجت ہو۔ میں نے ان انعامات کا ذکر کیا جو حضرت مرزا صاحب نے مخالفینِ اسلام کے لئے پیش کئے ہیں۔ اس پر کہنے لگے اگر میں جواب لکھوں تو کون انعام دے گا، کیونکہ مرزا صاحب تو فوت ہو چکے ہیں میں نے کہا، بے شک حضرت مرزا صاحب فوت ہو چکے ہیں مگر آپ کا سلسلہ تو فوت نہیں ہوا۔ آپ جواب دیں، میں آپ کو انعام دوں گا۔ وہ اس کا تو کوئی جواب نہ دے سکے مگر ولایت میں جا کر انہوں نے لوگوں سے بیان کیا کہ میں قادیان گیا تھا وہاں کوئی شخص بھی مجھ سے عربی میں بات چیت نہ کر سکا۔ اس کے دو سال ہی بعد میں تبلیغ کے کاموں کو دیکھنے کے لئے ولایت گیا جہاں مجھے بتایا گیا کہ وہ یوں کہتا ہے۔ بعض دوستوں نے کہا: اس کے اس دعویٰ کو غلط ثابت کرنا چاہیئے۔ ایک دفعہ ہم ایک میٹنگ میں گئے جہاں وہ بھی موجود تھا۔ ایک طرف میں بیٹھ گیا اور دوسری طرف حافظ روشن علی صاحب مرحوم اور اس سے عربی میں گفتگو شروع کی لیکن دو چار فقرے بولنے کے بعد ہی وہ کہنے لگا کہ مجھ سے انگریزی میں گفتگو کریں اس پر سب انگریز ہنس پڑے۔ غرض اَب بھی دعویٰ موجود ہے۔

تمام دنیا کو چیلنج پھر صرف یہی نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہی یہ بات تھی بلکہ آپ آگے بھی یہی چیز دے گئے ہیں اور آپ کے طفیل مجھے بھی ایسے قرآن کریم کے معارف عطا کئے گئے ہیں کہ کوئی شخص خواہ وہ کسی علم کا جاننے والا اور کسی مذہب کا پیرو ہو' قرآن کریم پر جو چاہے اعتراض کرے' اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس قرآن سے ہی اس کا جواب دوں گا۔ میں نے بارہا دنیا کو چیلنج کیا ہے کہ معارف قرآن میرے مقابلہ میں لکھو حالانکہ میں کوئی مأمور نہیں ہوں مگر کوئی اس کے لئے تیار نہیں ہوا اور اگر کسی نے اسے منظور کرنے کا اعلان بھی کیا تو بے معنی شرائط سے مشروط کر کے ٹال دیا۔ مثلاً یہ کہ بند کمرہ ہو' کوئی کتاب پاس نہ ہو۔ مگر اتنا نہیں سوچتے کہ اگر خیال ہے کہ میں پہلی کتب اور تفاسیر سے معارف نقل کرلوں گا تو وہی کتب تمہارے پاس بھی ہوں گی تم بھی ایسا ہی کر سکتے ہو۔ پھر اگر میں دوسری کتب سے نقل کروں گا تو خود اپنے ہاتھ سے اپنی ناکامی ثابت کردوں گا۔ کیونکہ میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ نئے معارف بیان کروں گا لیکن مقابلہ کے وقت جب پُرانی تفاسیر سے نقل کرلوں گا تو خود ہی میرے لئے شرمندگی اور ندامت کا موجب ہوگا۔ مگر میں جانتا ہوں یہ سب بہانے ہیں حقیقت یہ ہے کہ کسی کو سامنے آنے کی جرأت ہی نہیں۔

مخالفوں کی ناکامی تیسری چیز عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ کے سلسلہ میں وہ معجزات اور پیشگوئیاں ہیں جو رسول کریم ﷺ نے بیان کی ہیں۔ آپؐ نہایت خطرناک دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے مگر آپؐ نے دعویٰ کیا کہ اللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ [۲۱] مکہ والوں نے سارا زور لگایا کہ آپؐ کو قتل کریں' آخرکار تجویز کی کہ سب مل کر آپؐ کو ماریں مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ آپؐ کو قبل از وقت ان کے منصوبوں کا علم دیدیا اور آپؐ بچ گئے۔ آپؐ جب غارِ ثور میں گئے تو دشمن بھی غار کے منہ تک پہنچ گئے ان کے ساتھ ایک بہت بڑا ماہر کھوجی تھا' ہمارے علاقہ کے لوگ تو کھوجیوں کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے البتہ اس علاقہ میں رواج ہے' اس کھوجی نے کہا کہ یا تو اس غار میں ہیں یا پھر آسمان پر چڑھ گئے ہیں' اس سے آگے نہیں گئے [۲۲]۔ لیکن ان لوگوں پر اس قدر تصرفِ الٰہی تھا کہ کسی نے جُھک کر نیچے نہ دیکھا کہ شاید اس کے اندر ہی ہوں۔ پھر ایک سردار نے اعلان کیا کہ جو آپؐ کو پکڑ لائے گا' اسے سَو اونٹ انعام دیا جائے گا [۲۳]۔ چنانچہ ایک شخص آپؐ کے تعاقب میں گیا اور بالکل قریب جا پہنچا مگر جب وہ حملہ کرنے لگتا تو گھوڑا ٹھوکر کھا کر گر پڑتا۔ تین دفعہ ایسا ہی ہوا آخر وہ سمجھ گیا اور اسی

وقت ایمان لے آیا [۲۴]۔تو رسول کریم ﷺ کی زندگی میں کثرت سے ایسے واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے آپؐ کی حفاظت کرتے تھے۔ایک عورت نے آپؐ کو کھانے میں زہر دینا چاہا ایک صحابی نے وہ کھانا کھالیا اور وہ فوت ہوگئے لیکن آپؐ نے لُقمہ اُٹھایا اور پھر رکھ دیا [۲۵]۔اسی طرح آپؐ پر پیچھے سے پتھر گرا کر ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی۔مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بچالیا [۲۶]۔آپؐ بالکل اکیلے باہر چلے جاتے تھے صحابہؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو مدینہ سے باہر کچھ شور ہوا وہ جب اٹھ کر دیکھنے کے لئے جا رہے تھے تو رسول کریم ﷺ گھوڑے پر واپس آتے ہوئے ان کو ملے اور فرمایا۔میں دیکھ آیا ہوں' کوئی خطرہ کی بات نہیں [۲۷]۔تو آپؐ راتوں کو اکیلے پھرتے مگر آپؐ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکا حالانکہ سب آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے' ان کی سب تدابیر ناکام ہوئیں۔

انتہائی مخالفت کے باوجود حضرت مرزا صاحب کی کامیابی

ایسا ہی حضرت مرزا صاحب کے متعلق ہوا۔آپ کے خلاف بھی دشمنوں نے ہر طرح زور لگایا' قتل کے جھوٹے مقدمات آپ پر دائر کئے گئے' آپ کو قید کرانے کی کوششیں کی گئیں' آپ کی جان لینے کے منصوبے کئے گئے۔لکھنو کے ایک مولوی صاحب قادیان آئے' بعد میں احمدی ہوگئے انہوں نے بتایا کہ میں آیا تو آپ کو قتل کرنے کی نیت سے تھا مگر یہاں آ کر صداقت کھل گئی۔جس طرح رسول کریم ﷺ کو نقصان پہنچانے کی تمام تدابیر ناکام ہوئیں اور دشمنوں کی شکست کی تمام پیشگوئیاں جو رسول کریم ﷺ نے کیں مثلاً فتح مکہ کی خبر' فتح خیبر کی خبر اور ابوجہل کی موت کہ کہاں اور کس طرح واقع ہوگی وغیرہ' وہ سب پوری ہوئیں۔اسی طرح کی مثالیں حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں بھی ملتی ہیں۔رسول کریم ﷺ کو سخت مخالف حالات میں جو کامیابی ہوئی دشمن بھی اس کے معترف ہیں۔ایک انگریز مصنف لکھتا ہے کہ اسلام پر جو چاہو اعتراض کرو لیکن ایک بات سخت حیران کن ہے اور وہ یہ کہ ایک کچا مکان جس پر کھجور کی ٹہنیوں کی چھت پڑی ہے اور بارش میں پانی چھت سے ٹپک ٹپک کر فرش پر کیچڑ ہو جاتا ہے' اس کے اندر چند لوگ بیٹھے ہیں' جن میں سے اگر کسی کا تہ بند ہے تو کُرتا نہیں اور کُرتا ہے تو پگڑی نہیں غرضیکہ کسی کے بدن پر بھی پورے کپڑے نہیں ہیں وہ نہایت سنجیدگی سے اس امر پر غور کر رہے ہیں کہ فلاں ملک کو کس طرح فتح کیا جائے اور فلاں کو کس طرح اور پھر وہ کر کے دکھا بھی دیتے ہیں۔وہ کہتا ہے:۔تم محمد (صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم) پر جو چاہو

اعتراض کرو لیکن اس کا کیا جواب ہے اور یہ کیا راز تھا۔ یہی باتیں حضرت مرزا صاحب میں دکھائی دیتی ہیں اور عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ کی یہی مثال آپ میں ملتی ہے۔ آپ کو بھی الہام ہوا۔ یَعْصِمُکَ اللّٰہُ مِنَ النَّاسِ [۲۸] دوسری پیشگوئی آپ کی یہ تھی کہ اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَاِھَانَتَکَ وَاِنِّیْ مُعِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِعَانَتَکَ [۲۹] یعنی جو تیری توہین کے لئے کھڑا ہو گا، میں اس کی توہین کروں گا اور جو تیری مدد کے لئے کھڑا ہو گا، میں اس کی مدد کروں گا۔ غور کرو یہ کتنا بڑا دعویٰ ہے۔ ایک دشمن کے متعلق بھی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ذلیل ہو گا مگر یہاں ایک قانون بیان کیا گیا اور آپ اتنا بڑا دعویٰ کرتے ہیں اِدھر آپ یہ الہام شائع کرتے ہیں اور اُدھر آپ کے بہت پرانے دوست مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی آپ کی مخالفت کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ میں نے ہی اس کی تعریف کر کے اسے اس قدر عروج پر پہنچایا تھا اور اب میں ہی اسے نیچے گراؤں گا۔ دیکھو کتنا بڑا مقابلہ ہے۔ ایک طرف مرزا صاحب ہیں جن کے سب لوگ مخالف ہیں حتّٰی کہ مہدویت کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے حکومت کی آنکھ میں بھی آپ کھٹکتے ہیں، عیسائی اس واسطے دشمن تھے کہ یہ ہمارے خدا کی موت ثابت کرتا ہے، ہندو، مسلمان غرضیکہ سب آپ کے مخالف تھے، مگر اس وقت آپ نے اعلان کیا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَاِھَانَتَکَ وَاِنِّیْ مُعِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِعَانَتَکَ اس کے بعد آپ کے مقابلہ کے لئے وہ شخص اُٹھا جو اپنے کو مسلمانوں کا ایڈووکیٹ لکھا کرتا تھا اور تمام اہلحدیث جس کے تابع تھے۔ اس نے غرور سے کہا کہ میں نے اس شخص کو اوپر اُٹھایا تھا اور اَب میں ہی اسے گراؤں گا [۳۰]۔ یہ دونوں میدانِ مقابلہ میں تھے۔ ایک کی طرف بظاہر کوئی بھی نہیں تھا مگر دوسرے کی طرف سارا ہندوستان بلکہ غیر ممالک کے لوگ بھی تھے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ نتیجہ کیا نکلا؟ اس کے لئے بھی ہمیں کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب نے جب یہ دعویٰ کیا اس پر آج ۴۴ سال گذر گئے ہیں۔ اب دیکھو یہ دعویٰ کرنے والا کہاں ہے اور کیا اس کے ماننے والوں میں سے کوئی باقی ہے۔ اور نہیں، مَیں کہتا ہوں اس کی اپنی اولاد سے ہی اس کی تعریف کرا دو۔ اس کی اولاد بھی اسے گالیاں دینے والی ہے۔ ایک لڑکا آریہ ہو گیا تھا اور مولوی محمد حسین صاحب نے مجھ سے اپیل کی کہ اسے بچاؤ۔ چنانچہ میں نے اپنے آدمی بھیج کر اسے دوبارہ مسلمان کیا لیکن جس شخص کے متعلق اس نے کہا تھا کہ میں اسے گراؤں گا کیا وہ گر گیا یا کم سے کم آج اس کی وہی حالت ہے جو پہلے تھی؟ ایک دن بھی ایسا نہیں آتا جب اس کی جماعت میں

نئے لوگ داخل نہ ہوں۔ آج ہی دیکھ لو' ایک سَو کے قریب افراد نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ میں مرکز سے باہر آیا ہوں بلکہ کوئی ہندو' آریہ' عیسائی' غیر احمدی جو چاہے آئے اور آکر دیکھ لے کہ میری روزانہ ڈاک میں احمدی ہونے والوں کے کتنے خطوط ہوتے ہیں اور کوئی موقع ایسا نہیں ہوتا کہ میں باہر آؤں اور بیعت کرنے والا کوئی نہ ہو۔ غرض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر ملک میں جماعت قائم ہو چکی ہے اور جہاں ایک آدمی بھی گیا وہاں جماعت قائم ہو گئی۔ جس سے ظاہر ہے کہ جو آپ کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ اور جو اہانت کرنا چاہتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل کرتا ہے۔

مقدمہ قتل اور دشمنوں کی روسیاہی

حضرت مرزا صاحب پر ایک پادری نے قتل کا مقدمہ دائر کرایا اور بیان کیا کہ میرے قتل کیلئے آپ نے ایک آدمی کو بھیجا ہے۔ اس زمانہ میں گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر کیپٹن ڈگلس تھے جو بڑے متعصب خیال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ وہ جب اس ضلع میں آئے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ یہ شخص ہمارے مذہب کی اتنے عرصہ سے مخالفت کر رہا ہے' ابھی تک اسے کوئی سزا کیوں نہیں دی گئی۔ ایسا انسان ڈپٹی کمشنر تھا' ایک پادری کی طرف سے مقدمہ دائر تھا' جس میں پادری کی طرف سے گواہی دینے کیلئے مولوی محمد حسین صاحب گئے' ان کا خیال تھا کہ پولیس مرزا صاحب کو گرفتار کر کے لائے گی اور وہ ذلیل حالت میں عدالت کے روبرو کھڑے کئے جائیں گے' جنہیں مَیں دیکھوں گا۔ مگر وہی دشمن انگریز افسر جو اب تک زندہ ہے' اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ آپ کو دیکھ کر اس پر ایسا رُعب طاری ہوا کہ اس نے آپ کو بیٹھنے کیلئے کرسی پیش کی۔ یہ حالت دیکھ کر مولوی محمد حسین صاحب غصہ سے جل بُھن گئے اور آگے بڑھ کر کہنے لگے مجھے بھی کرسی ملنی چاہئے مگر عدالت نے انکار کر دیا۔ اس پر انہوں نے اصرار کیا تو عدالت نے کہا۔ بک بک مت کر پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو جا۔ اس پر وہ باہر آ گئے وہاں ایک کرسی پڑی تھی' اس پر بیٹھ گئے۔ مشہور ہے کہ جس پر آقا ناراض ہو نوکر بھی ناراض ہوتے ہیں۔ چپڑاسی نے یہ خیال کر کے کہ اگر صاحب نے دیکھ لیا تو مجھ پر ناراض ہوگا' انہیں کرسی سے اُٹھا دیا۔ اس کے بعد ایک چادر پر کچھ مسلمان بیٹھے تھے' مولوی صاحب اس پر جا بیٹھے لیکن چادر والے نے یہ کہتے ہوئے کہ جو شخص ایک مسلمان کے خلاف گواہی دینے آئے' میں اس سے اپنی چادر پلید کرانا نہیں چاہتا' چادر کھینچ لی۔ وہ کیپٹن ڈگلس جو بعد میں کرنل ہو گیا تھا' آج بھی زندہ موجود ہے اور شہادت

دیتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی شکل دیکھتے ہی مجھ پر حقیقتِ حال منکشف ہو گئی۔ ان کے ایک لڑکے H.V.C ملک غلام حیدر صاحب اس وقت راولپنڈی میں زندہ موجود ہیں ان کے ایک لڑکے ملک عطاء اللہ صاحب۔ای۔اے سی۔ غالباً یہاں بھی رہے ہیں وہ خود سناتے ہیں کہ صاحب بٹالہ میں مقدمہ کی سماعت کرنے کے بعد جب سٹیشن پر واپس آیا تو بے قراری کے ساتھ پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگا۔ میں نے کہا۔ ویٹنگ روم میں تشریف رکھیئے۔ مگر اس نے کہا۔ نہیں تم جاؤ۔ پھر دیکھا کہ وہ کچھ گھبرایا سا پھرتا ہے۔ میں پھر گیا اور جا کر کہا تو اس نے جواب دیا نہیں تم جاؤ۔ میری طبیعت خراب ہے اور ٹہلتا رہا۔ پھر مجھے کہا کہ دیکھو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میں جس طرف جاتا ہوں مرزا صاحب کی رُوح سامنے آتی ہے جو کہتی ہے کہ مجھ پر الزام جھوٹا ہے اور مرزا صاحب کو دیکھتے ہی مجھے یقین ہو گیا ہے۔ میں نے کہا آپ سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کو بُلا کر مشورہ کر لیں جو انگریز تھے۔ چنانچہ ان کو مشورہ کیلئے بُلایا گیا اور جب وہ آئے تو ڈگلس صاحب نے ان سے کہا کہ مجھے کچھ جنون سا ہو رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مرزا صاحب بے گناہ ہیں' اَب کیا کیا جائے۔ سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ گواہ کو عیسائیوں کے قبضہ سے نکال کر اس سے اصل حقیقت دریافت کرنی چاہئے۔ ڈپٹی کمشنر نے اُسی وقت حکم لکھا کہ وعدہ معاف گواہ پولیس کے حوالہ کیا جائے۔ چنانچہ اسے منگوا کر جب سپرنٹنڈنٹ صاحب نے دریافت کیا تو پہلے تو اس نے وہی قصہ دُہرا دیا جو اُسے یاد کرایا گیا تھا مگر جب اسے یقین دلایا گیا کہ ڈرو نہیں اب تمہیں عیسائیوں کے حوالہ نہیں کیا جائے گا۔ تو وہ چیخ مار کر پاؤں پر گر پڑا اور کہا کہ یہ سب جھوٹ ہے عیسائیوں نے قتل کی دھمکی دے کر مجھ سے یہ شہادت دلوائی ہے ورنہ حضرت مرزا صاحب کے جن مریدوں کا ذکر گواہی میں ہے مجھے تو ان کے نام بھی یاد نہیں ہیں وہ میری ہتھیلی پر لکھ کر مجھے عدالت میں بھیجتے ہیں۔ یہ سارا واقعہ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ڈپٹی کمشنر سے بیان کر دیا جس نے اگلی ہی پیشی پر مقدمہ خارج کر دیا۔ حالانکہ دعویٰ کرنے والوں میں بڑے بڑے پادری شامل تھے۔ ایک پادری وارث الدین تھے جو عیسائیوں میں بہت معزز سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ پنجاب ریلیجس بُک سوسائٹی نے ان کے نام پر ایک وارث فونٹین پن ایجاد کیا۔ جسے ہمارے بعض مسلمان نوجوان بھی نہایت شوق سے خریدتے ہیں' محض اس وجہ سے کہ وہ کچھ سَستا ملتا ہے۔ ڈگلس صاحب نے مرزا صاحب کو یہ بھی کہا کہ آپ ان پر نالش کر سکتے ہیں۔ مگر آپ نے جواب دیا کہ مجھے کسی پر مقدمہ کرنے کی ضرورت نہیں میرے لئے یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عزت کے ساتھ بری کر دیا۔

مَیں جب ولایت میں گیا تو ڈگلس صاحب کو بھی ملاقات کیلئے بلایا۔ انہوں نے سنایا کہ آج تک اس واقعہ کا مجھ پر اثر ہے اور اب بھی اگر کوئی مجھے کہے کہ تم نے ۳۵ سال تک ہندوستان میں زندگی بسر کی ہے، کوئی عجیب واقعہ سناؤ تو میں یہی سناتا ہوں بلکہ کچھ عرصہ ہوا ضلع ہوشیار پور کے ایک ڈپٹی کمشنر صاحب رخصت پر یہاں آئے جو مجھ سے ملنے کیلئے آئے اور کہا کہ کوئی عجیب واقعہ سناؤ۔ تو میں نے انہیں بھی یہی سنایا اور کہا کہ میں نے مرزا صاحب سے کہا تھا کہ آپ پادری وارث الدین اور اس کے ساتھیوں پر نالش کر سکتے ہیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ عجیب بات ہے کہ عین اُس وقت جب میں انہیں یہ بات سنا رہا تھا' نوکر نے ایک ملاقاتی کا کارڈ لا کر دیا جو اسی پادری وارث الدین کا بیٹا تھا۔ میں نے اسے اندر بلایا اور کہا کہ ہم بھی تمہارے والد کا ہی ذکر کر رہے تھے۔ اس نے ایک تار دکھایا کہ ابھی آیا ہے اور اس میں لکھا تھا کہ میرا والد فوت ہو گیا ہے۔

اب غور کرو یہ کتنا عظیم الشان نشان ہے۔ اور اِنِّیْ مُهِیْنٌ مَنْ اَرَادَاِهَانَتَکَ وَاِنِّیْ مُعِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِعَانَتَکَ۔ کا کیسا زبردست ثبوت ہے۔

مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کیلئے دوسری چیز وہ باتیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس زمانہ کے متعلق بیان فرمائیں اور جن میں سے ایک ضلع لائل پور کے متعلق بھی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آخری زمانہ میں خدا تعالیٰ دوبارہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کے نشانات دکھلائے گا اور ثابت کرے گا کہ آپ جھوٹے نہیں۔ اس کے ثبوت میں جو باتیں پیش کرتا ہے وہ قرآن مجید کی ایک سورۃ میں بیان کی گئی ہیں۔ اس ساری سورۃ کی اگر تفسیر کی جائے تو اس کے لئے کئی گھنٹے بھی کافی نہیں ہو سکتے اس لئے میں صرف اختصار کے ساتھ اس کے مضمون کی طرف اشارہ کر دیتا ہوں۔ خصوصاً اس حصہ کی نسبت جس میں نوآبادیوں کی طرف اشارہ ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِذَالْوُحُوْشُ حُشِرَتْ وَاِذَالْبِحَارُ سُجِّرَتْ [۱۳] یعنی مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جانگلی کہلانے والے لوگوں میں بھی تعلیم پھیل جائے گی اور دریاؤں سے نہریں کاٹ کر پھیلا دی جائیں گی۔ یہ دونوں باتیں اکٹھی صرف ہندوستان کی نوآبادیوں میں ہی پائی جاتی ہیں۔ جہاں کی پُرانی آبادی جانگلی کہلاتی ہے اور جہاں نہروں کے ساتھ ساتھ ان لوگوں میں تعلیم پھیل کر بیداری پیدا ہو گئی

ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہاں کے اکثر لوگوں کی روزی کا مدار نہروں پر ہے۔ ان نہروں کے ذریعہ ہی یہ علاقہ ایسا زرخیز ہو گیا ورنہ یہاں کیا رکھا تھا۔ آبادی نہایت کم تھی اور بوجہ دُور دُور رہنے کے لوگ تمدن سے ناآشنا ہو گئے تھے اور اس وجہ سے جانگلی کہلاتے تھے۔

غرض اس پیشگوئی کے دیکھنے سے پتہ لگتا ہے کہ اس زمانہ کا نقشہ نہایت وضاحت سے کھینچا گیا ہے۔ بقیہ پیشگوئیاں یہ ہیں کہ جب ستارے مکدّر ہو جائیں گے' پہاڑ اڑائے جائیں گے' اونٹ بیکار ہو جائیں گے' وحشیوں کو اکٹھا کیا جائے گا' نہریں جاری ہو جائیں گی [۳۲] ۔لڑکیوں کا مارنا قانوناً روک دیا جائے گا' اخبارات نکلیں گے' ہیئت کے علوم پھیل جائیں گے' جہنمی کارروائیاں کثرت سے ہوں گی' جنت کا حصول آسان ہو جائے گا' بدی کی اس قدر کثرت ہو گی کہ تھوڑی سی نیکی بھی خدا کی خوشنودی کا موجب ہو گی' [۳۳] یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جو فی زمانہ پوری ہو رہی ہیں۔لڑکیوں کا قتل اس زمانہ سے قبل پہلے کبھی روکا نہیں گیا تھا حتّٰی کہ مسلمان بادشاہوں نے بھی اپنے زمانہ میں اس کی اجازت ہندوؤں کو دے رکھی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس زمانہ میں اس پیشگوئی کا ایک تتمہ بھی بیان فرمایا ہے۔ آپ کا الہام ہے بَـلِیَّۃٌ مَـالِیَّۃٌ [۳۴] یعنی ایک زمانہ آئے گا کہ چیزیں موجود ہوں گی مگر روپیہ نہیں ملے گا۔ پہلے ملک میں کال اور قحط اس لئے ہوتے تھے کہ گندم یا غلہ کم پیدا ہوتا تھا مگر اس وقت مالی مصیبت اس وجہ سے آئی ہے کہ پیداوار ضرورت سے زیادہ ہو گئی ہے اور گاہک نہیں ملتے۔ دیکھو یہ کتنی واضح پیشگوئی ہے۔ آج ساری دنیا امریکہ' انگلینڈ' جرمنی' فرانس' جاپان' ہندوستان غرضیکہ سب رو رہے ہیں کہ مر گئے' تباہ ہو گئے۔ زمیندار غلہ پیدا کر رہے ہیں مگر کوئی گاہک نہیں ملتا اور سرکاری مالیہ تک ادا نہیں ہو سکتا غرضیکہ ایک عظیم الشان ابتلاء کی خبر دی گئی تھی جو اس زمانہ میں پوری ہوئی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ذات میں صداقتِ مسیح موعود کا زبردست نشان

اس کے بعد میں ایک ایسی پیشگوئی کو لیتا ہوں جو آپ سے' مجھ سے' بلکہ ساری دنیا سے تعلق رکھتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام ہے۔ ''اِنِّیْ مَعَکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ سب مسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں جمع کرو عَـلٰـی دِیْـنٍ وَاحِـدٍ'' [۳۵] یعنی اے اللہ کے رسول کے بیٹے! میں تیرے ساتھ ہوں تم سب دنیا کے مسلمانوں کو ایک سلسلہ میں جمع کرو اور ایک دین کا پابند بناؤ۔

جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ الہام ہوا اس وقت میں طالب علم تھا اور طالبِ علم بھی ایسا جو ہمیشہ فیل ہوتا تھا اور میں سمجھتا ہوں اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ہوگی وگرنہ اگر کچھ پاس کر لیتا تو ممکن ہے مجھے خیال ہوتا کہ میں یہ ہوں' وہ ہوں لیکن اَب تو اس حقیقت کا انکار نہیں ہوسکتا کہ جو کچھ مجھے آتا ہے' یہ اللہ کا ہی فضل ہے' میری اس میں کوئی خوبی نہیں۔ کچھ عرصہ ہوا لاہور میں دو مولوی صاحبان مجھ سے ملنے آئے اور بطور تمسخر ایک نے پوچھا کہ آپ کی تعلیم کہاں تک ہے۔ میں سمجھ گیا کہ ان کا مقصد کیا ہے۔ میں نے کہا۔ کچھ بھی نہیں۔ کہنے لگے آخر کچھ تو ہوگی۔ میں نے کہا صرف قرآن جانتا ہوں۔ کہنے لگے بس قرآن۔ مجھے ان پر تعجب ہوا کہ ان کے نزدیک قرآن جاننا کوئی چیز ہی نہیں اور انہیں اس پر خوشی کہ ان کی تعلیم کچھ نہیں۔ پھر ایک نے پوچھا۔ انگریزی پڑھی ہوگی۔ میں نے کہا پڑھتا تو تھا مگر ہر جماعت میں فیل ہوتا تھا۔ کہنے لگے تو پھر انگریزی بھی نہ ہوئی۔ اس کے بعد پوچھنے لگے۔ پرائیویٹ طور پر تو کوئی تعلیم حاصل کی ہوگی۔ میں نے کہا وہ بھی قرآن ہی پڑھا ہے اور واقعی یہ امر واقع ہے۔ میں ہر جماعت میں فیل ہوتا تھا' میری صحت کمزور تھی اور اطبّاء نے کہا تھا کہ اس کی تعلیم پر زور نہ دیا جائے' وگرنہ اسے سِل ہو جائے گی۔ ایسے شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہام کرتا ہے کہ اے ابنِ رَسُوْلِ اللہ! اُٹھ اور ساری دنیا کو ایک ہاتھ پر جمع کر دے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے وقت بھی میری عمر چھوٹی تھی۔ پھر صدر انجمن کے بعض ممبر یہ کہہ رہے تھے کہ کوئی خلیفہ نہیں ہونا چاہئے اور وہ پروپیگنڈا کر رہے تھے کہ خلافت کی ضرورت ہی نہیں اور اس طرح گویا خلافت کا نشان ہی مٹانے میں لگے ہوئے تھے۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو جاتے تو اس الہام کے پورے ہونے کا کوئی موقع نہ رہتا۔ پھر اس کے بعد بھی بعض لوگ میری مخالفت کرتے رہے ہیں اور اس کوشش میں رہے ہیں کہ میں خلیفہ نہ بن سکوں حالانکہ مجھے کبھی اس کا وہم بھی نہ تھا۔ ایک دفعہ مجھے یاد ہے میں گھر میں بیٹھا تھا کہ مسجد مبارک میں جو ہمارے گھر سے ملحق ہے خلافت کے موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ جھگڑا کیا ہے لیکن میرے کان میں آواز آئی کہ ہم نے مولوی صاحب کے ہاتھ پر تو بیعت کر لی تھی اب ایک لونڈے کے ہاتھ پر کس طرح بیعت کریں۔ مجھے کوئی وہم بھی نہ تھا کہ میں بھی خلیفہ ہوسکتا ہوں اس لئے میں نے بڑی حیرانی سے ایک صاحب سے جو اس مجلس میں شامل تھے دریافت کیا کہ یہ لونڈا کون ہے جس کا ذکر ہو رہا تھا انہوں نے بتایا کہ وہ آپ ہی کے متعلق بات ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور میں اس

کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ مجھے نہ تو کوئی اس کا علم تھا اور نہ ہی طاقت تھی۔ جب حضرت خلیفہ اوّل سخت بیمار ہوئے تو میں نے اختلاف پر غور کیا اور بہت غور کیا۔ جب مَیں نے یہ دیکھا کہ جماعت کا ایک حصہ عقائد میں ہم سے خلاف ہے تو میں نے کہا کہ یہ لوگ ہماری بات تو نہیں مانیں گے، آؤ ہم ہی ان کی مان لیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے سب رشتہ داروں کو جمع کر کے کہا کہ سلسلہ میں اتحاد سب چیزوں پر مقدم ہے۔ آؤ ہم ان لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیں اور میں نے تجویز کیا کہ سب سے پہلے مولوی محمد احسن صاحب کی بیعت کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر ان پر اتفاق نہ ہو تو سید حامد شاہ صاحب کا نام پیش کیا جائے اور اگر ان پر بھی اتفاق نہ ہو تو مولوی محمد علی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے۔ مگر خدا تعالیٰ کی قدرت کہ مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء نے خیال کیا کہ لوگ ضرور میری بیعت کریں گے اور انکارِ خلافت پر اصرار کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اصرار کیا کہ مَیں بیعت لوں اور مجھے بیعت لینی پڑی۔ پس میری خلافت غیر معمولی حالات میں ہوئی اور اس الہام کے ماتحت ہوئی۔ اس کے بعد الہام کے دوسرے حصہ کے پورے ہونے کا وقت آیا۔ جب مَیں خلیفہ ہوا اس وقت ہندوستان سے باہر احمدی نہ تھے۔ یا اگر تھے تو وہ نسلاً ہندوستانی تھے۔ مگر اب خدا کے فضل سے انگلینڈ، امریکہ، جزائر امریکہ، ایران، شام، الجزائر، سماٹرا، جاوا، بورنیو، نیوگا ئنا، گولڈ کوسٹ، لیگوس، نٹال، مصر اور ان کے علاوہ دیگر بہت سے مقامات پر جماعتیں ہیں۔ کئی مقامات پر اپنی مساجد تعمیر ہو چکی ہیں اور ان لوگوں میں سے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دینے والے تھے آپ پر درود بھیجنے والے پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک انگریز نومسلم نے جو پہلے عیسائی تھا مجھے خط لکھا کہ کوئی رات ایسی نہیں کہ میں سونے سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجوں کہ آپ ایسا دین لائے اور اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اس لئے کہ آپ کے ذریعہ یہ صداقت مجھ تک پہنچی۔

ہدایتِ خلق کیلئے درد اور تڑپ

چونکہ وقت زیادہ ہو گیا ہے اور اس کے بعد ایک ٹی پارٹی ہے۔ اس لئے اگرچہ مضمون ختم نہیں ہوا، تاہم تقریر کو مَیں ختم کرتا ہوں اور اگر رات کو جلسہ ہوا تو مَیں کوشش کروں گا کہ مضمون مکمل کر دوں۔

اس کے بعد مَیں ان سب بھائیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جو جلسہ میں آئے اور محبت سے

تقریر سنتے رہے اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب کرے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میرے دل میں کسی کیلئے کوئی کپٹ، کوئی کینہ یا بُغض اور عناد نہیں، میں مخالفوں کے لئے بھی اپنے دل میں محبت کے جذبات رکھتا ہوں اور اپنا مقصد یہی سمجھتا ہوں کہ علاوہ اشاعتِ اسلام کے لوگوں میں باہم مَوَدّت پیدا کروں اور اگر ہندو بھائیوں میں ہمارے ذریعہ سے اتحاد ہو سکے تو میں اسے بہت بڑی کامیابی سمجھوں گا۔ میں اپنی جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس مشن کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ لوگوں سے محبت اور پیار بڑھائیں، ہمدردانہ تعلقات پیدا کریں، میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میں جس نظر سے اپنے مخالفوں کو دیکھتا ہوں، شاید ان کے عزیز بھی انہیں نہ دیکھتے ہوں گے۔ میرے دل میں ایک درد ہے، ایک تڑپ ہے کہ وہ ایک ایسے مقام سے محروم ہیں جس کے بغیر انسان کو حقیقی راحت حاصل نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے، ان کے قلوب کھول دے اور ہمیں بھی توفیق دے کہ سچائی کو پھیلا سکیں اور اس کے لئے قربانی کرسکیں۔ ساری دنیا کو بھائی بھائی بنا دیں اور توفیق دے کہ محبت اور پیار سے تبادلہ خیالات کر کے لوگوں کو اس نتیجہ پر پہنچنے کے مواقع بہم پہنچا سکیں کہ جس پر پہنچنے سے انسانی زندگی کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔

اس کے بعد حضور تشریف لے گئے اور پھر مغرب وعشاء کی نمازیں جلسہ گاہ میں پڑھانے کے بعد حسبِ ذیل تقریر فرمائی۔

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

معذرت مجھے افسوس ہے کہ ایک غلط فہمی کی وجہ سے ہماری نماز ذرا دیر سے ہوئی اور جلسہ کے وقت میں سے کچھ نماز کیلئے لینا پڑا۔ شرعاً تو مغرب وعشاء کی نمازوں کو دونوں وقتوں میں جمع کرنا جائز ہے لیکن انتظام کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے تجویز یہ تھی کہ مغرب کے ساتھ میں عشاء کی نماز پڑھا دوں اور اس کے بعد جلسہ کی کارروائی شروع کردی جائے لیکن ایک غلط فہمی کی وجہ سے یہ توقف ہوگیا۔ اس لئے جو دوست وقت مقررہ پر تقریر سننے کیلئے آئے اور ان کو انتظار کرنا پڑا، میں ان سے معذرت چاہتا ہوں۔ ہماری کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ ہر کام وقت مقررہ پر ہو مگر آج غلط فہمی کے باعث ایسا ہوا اور میں جب نمازیں پڑھانے کیلئے آیا تو دوست یہاں نہیں تھے۔

میں نے کہا تھا کہ میری تقریر کا کچھ حصہ باقی ہے۔ اسے دوسرے وقت میں اگر ممکن ہوا تو بیان کروں گا۔ اس وعدہ کے مطابق میں اَب آیا ہوں۔ گو سارا دن ملاقاتوں اور پھر تقریر کی وجہ

سے میری طبیعت جو پہلے ہی پیچش کی وجہ سے کمزور تھی، زیادہ ضُعف محسوس کر رہی ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں اگر کچھ وقت اور بول سکوں تو یہ اس کمزوری کا اعلیٰ بدلہ ہوگا اور اعلیٰ چیز کیلئے ہر شخص ادنیٰ کو قربان کر دیتا ہے۔

طاعون کی پیشگوئی

میں نے بیان کیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کے جو دلائل قرآن کریم نے بیان کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپؐ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ تھے۔ یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو ایسے دلائل حاصل تھے جو آپ کی صداقت کو ظاہر کرتے اور معترضین کو ساکت کرتے ہیں۔ اسی سنت کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے جاری کی، اس نے بانی سلسلہ احمدیہ کیلئے بھی نشان دکھائے اور اپنے پاس سے آپ کو بھی بیّنات دیں۔ ان بیّنات میں سے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا ہوئیں، بعض ظلّی طور پر بانی سلسلہ احمدیہ کو بھی عطا ہوئیں اور ان میں سے مَیں پیشگوئیوں کا ذکر کر رہا تھا۔ ان پیشگوئیوں میں سے ایک اور کا مَیں ذکر کرتا ہوں جس سے پنجاب کا ہر شخص واقف ہے اور وہ طاعون کے متعلق پیشگوئی ہے۔ طاعون بے شک پہلے بھی پُھوٹتی رہی ہے اور اس علاقہ بار، میں بھی جہانگیر کے وقت میں سخت طاعون پُھوٹی تھی اور اسی وجہ سے لوگ اس علاقہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے لیکن کسی امر کا ایک وقت ظاہر ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ آئندہ کے لئے وہ نشان نہیں قرار پا سکتا۔

ایک اعتراض کا جواب

پیشگوئی کے معنی اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر قبل از وقوع لوگوں کو بتانے کے ہیں۔ پس اگر کسی امر کے متعلق پہلے سے خبر دے دی جائے تو وہ پیشگوئی ہے خواہ اس کا وقوع دنیا میں بکثرت ہوتا ہو۔ مثلاً دنیا میں روزانہ ہزار ہا آدمی پیدا ہوتے ہوں گے لیکن باوجود اس کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشگوئی اولاد کی نسبت پیشگوئی ہی کہلاتی ہے۔ اسی طرح ہر انسان مرتا ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو بعض دشمنوں کی موت کی خبر دی وہ پیشگوئی ہی کہلاتی ہے۔ پس جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ طاعون تو دنیا میں آیا ہی کرتی ہے، ان کا اعتراض صحیح نہیں کیونکہ گو طاعون پہلے بھی آتی رہی ہے مگر یہ تو ضروری نہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے وقت میں ہندوستان میں آتی۔ پس جب کہ وہ آپ کے بتائے ہوئے وقت میں بتائی ہوئی علامات کے ساتھ اور بتائے ہوئے علاقہ میں ظاہر ہوئی تو اسے پیشگوئی کہا جائے گا نہ کہ قیاس۔ حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طاعون کی پیشگوئی براہین احمدیہ کے وقت یعنی قریباً ۶۵ سال پہلے کی تھی۔ اس وقت آپ کو الہام ہوا تھا کہ:۔

''دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا''۔ [۳۶]

اس الہام میں بتایا گیا تھا کہ آپ ایک دعویٰ کریں گے۔ لوگ اس کا انکار کریں گے۔ اور پھر خدا تعالیٰ قہری نشانوں سے اس دعویٰ کی تصدیق کرے گا۔ یہ اجمالی پیشگوئی تھی۔ اس کے بعد آپ نے دعویٰ کیا اور عام طور پر ایسا سخت جوش آپ کے خلاف پیدا ہوا کہ اب تو میں نہیں کہہ سکتا کیونکہ پھر ایک جوش ہمارے خلاف پیدا ہو چکا ہے' ہاں درمیانی عرصہ میں اس کی نظیر ملنی محال ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ ملتان گئے اور میری خواہش پر مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ میری عمر اُس وقت ۷۔۸ سال ہوگی۔ واپسی پر لاہور بھی ٹھہرے اور ڈبی بازار کے پاس رہنے والے کسی دوست کی خواہش پر اس کے گھر گئے۔ واپسی پر جب سنہری مسجد کے پاس سے آپ کی گاڑی گذر رہی تھی تو میں نے دیکھا لوگ آپ کو گندی گالیاں دیتے اور پتھر مارتے تھے میں اگرچہ بچہ تھا مگر اس وقت کا ایک نظارہ مجھے اب تک یاد ہے۔ ایک شخص جس کا ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا اور زرد رنگ کی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ زخم ابھی ہرے ہیں وہ کٹے ہوئے بازو کو دوسرے ہاتھ پر مارتا جاتا اور ہائے ہائے مرزا کہتا جاتا تھا۔ یہ ایک ایسا نظارہ تھا جس کا میری طبیعت پر آج تک اثر ہے۔ تو اس زمانہ کی مخالفت کی یہ حالت تھی کہ انتہاء درجہ کا جوش تھا۔ آپ نے مخالفین کو بار بار توجہ دلائی کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ تم لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھے تباہ کر دے۔ آپ لوگ میری مخالفت میں اپنے اخلاق کیوں تباہ کرتے ہو۔ اگر میں حق پر ہوں تو تم میرا بگاڑ کچھ نہیں سکتے اور ناحق پر ہوں تو خدا خود بخود مجھے تباہ کر دے گا۔ تمہیں مخالفت کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر لوگ مخالفت میں برابر بڑھتے گئے۔ تب ۱۸۹۴ء میں آپ نے عربی میں ایک قصیدہ لکھا جس میں مندرجہ ذیل اشعار تھے۔

فَلَمَّا طَغَی الْفِسْقُ الْمُبِیْدُ بِسَیْلِہٖ
تَمَنَّیْتُ لَوْکَانَ الْوَبَاءُ الْمُتَبِّرُ
فَاِنَّ ھَلَاکَ النَّاسِ عِنْدَ اُولِی النُّھٰی
اَحَبُّ وَ اَوْلٰی مِنْ ضَلَالٍ یُخَسِّرُ [۳۷]

یعنی میں نے ہر طرح لوگوں کو سمجھایا مگر لوگ نہ سمجھے اور جب میں نے دیکھا کہ نافرمانی حد سے بڑھتی جا رہی ہے اور بار بار توجہ دلائے جانے کے لوگ باز نہیں آتے اور یہ طوفانِ گناہ انہیں خدا تعالیٰ سے دور سے دور تر لے جائے گا تب مَیں نے دعا کی کہ الٰہی! اس حالت سے تو بہتر تھا کہ یہ لوگ مر جاتے۔ کوئی وباء ایسی پڑے کہ یہ لوگ جسمانی موت کا شکار ہو جائیں کیونکہ جو لوگ عقل اور سمجھ رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ خدا کے حضور گناہ گار ہو کر جینے سے مرنا ہزار درجہ بہتر ہے۔ اس کے بعد کتاب سراج منیر میں جو ۱۸۹۷ء میں شائع ہوئی' آپ تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ یَـامَسِیْـحَ الْـخَلْقِ عَدْوَانَا [۳۸] یعنی دنیا پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اے دنیا کیلئے مسیح کے طور پر ظاہر ہونے والے! ہم متعدی بیماریوں کا شکار ہو رہے ہیں تُو ان سے ہمیں بچا۔ اس الہام میں صاف طور پر ایک سخت اور عام طور پر پھیلنے والی متعدی بیماری کی خبر دی گئی تھی بلکہ کئی متعدی وباؤں کی جن میں سے ایک طاعون ہے۔ اس کے بعد فروری ۱۸۹۸ء کے ابتدائی حصہ میں آپ کو الہام ہوا۔ اَلْاَمْرَاضُ تُشَاعُ وَالنُّفُوْسُ تُضَاعُ [۳۹] یعنی ہندوستان میں کئی قسم کے امراض پھیلنے والے ہیں جن سے ہزاروں لاکھوں جانیں ضائع ہوں گی۔ اُس وقت تک تو عام الفاظ میں متعدی وباؤں کی خبر دی گئی تھی۔ لیکن ۶۔ فروری کو وضاحت سے بتایا گیا کہ ان وباؤں میں سے ایک وبا طاعون ہوگی۔ چنانچہ ۶۔ فروری ۱۸۹۸ء کو آپ نے رؤیا دیکھا کہ خدا تعالیٰ کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات پر سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں وہ درخت نہایت بدشکل اور سیاہ اور خوفناک اور چھوٹے قد کے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کیسے درخت ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ طاعون کے درخت ہیں جو عنقریب ملک میں پھیلنے والی ہے۔ [۴۰] اس وقت آپ پر یہ امر مشتبہ رہا کہ اس نے یہ کہا کہ آئندہ جاڑے میں یہ مرض بہت پھیلے گا۔ یا یہ کہا کہ اس کے بعد کے جاڑے میں پھیلے گا۔ یہ اس وقت کا رؤیا ہے جب ابھی بمبئی میں تھوڑی تھوڑی طاعون پھوٹی تھی اور پنجاب میں مطلق طاعون نہ تھی۔ اسی رؤیا کے شائع ہونے کے بعد پنجاب میں طاعون آئی اور کیسی شدید آئی لوگ اس سے بخوبی واقف ہیں۔ ایک سال کے اندر ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ آدمی مرے بلکہ بعض اوقات تو ایک ایک ہفتہ میں ۲۵۔ ۳۰ ہزار اموات ہو جاتی تھیں۔ گویا ایک طوفان تھا جو کسی طرح تھمنے میں نہ آتا تھا۔ بعض کی تو ہیبت ہی سے جان نکل جاتی تھی اور ہماری جماعت کا کثیر حصہ ایسا ہے جس نے اس پیشگوئی کے پورا ہونے پر صداقت کو قبول کیا ہے۔

زلزلہ بہار کے متعلق پیشگوئی

اس کے بعد ایک اور پیشگوئی لیتا ہوں جو قریب عرصہ میں پوری ہوئی ہے اور اسے اختصار سے بیان کرتا ہوں۔ یکم جون ۱۹۰۴ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا۔ عَفَتِ الدِّیَارُ مَحَلُّهَا وَ مُقَامُهَا [۱۴] یعنی مکان اور عارضی مکانات جن میں پہاڑوں پر جا کر لوگ رہتے ہیں تباہ ہو گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر زلزلوں کی خبر دی۔ اور ان میں سے ایک میں اس کا مقام بھی بتا دیا۔ آپ نے ایک رؤیا میں دیکھا کہ ''بشیر احمد کھڑا ہے اور وہ ہاتھ سے شمال مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ زلزلہ اس طرف چلا گیا''۔ [۴۲] اس پیشگوئی کے مطابق نیپال اور بہار میں زلزلہ آیا۔ جغرافیہ سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ نیپال اور بہار کا وہ حصہ جس میں زلزلہ آیا ہے قادیان سے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس زلزلہ کی خبر کے ساتھ یہ بھی خبر تھی کہ اس کے ساتھ طوفان بھی ہوں گے۔ اب دیکھو کیسے واضح طور پر یہ پیشگوئی پوری ہوئی ہے۔ قادیان سے شمال مشرق میں زلزلہ سے ہزارہا جانیں تلف ہو گئیں اور ساتھ ہی طوفان کی وجہ سے صحنوں میں ندیاں چل پڑیں۔ اس پیشگوئی کی عظمت کا پتہ اس امر سے لگ سکتا ہے کہ حکومت نے ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کے بعد ماہرین سیمالوجی کو جاپان سے منگوایا تھا اور وہ تحقیقات کر کے اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ ایک سَو سال تک اس ملک میں سخت زلزلہ نہیں آ سکتا۔ جب کہ ظاہری علوم کے ماہر یہ خبر دے رہے تھے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر دنیا کو بتایا کہ قریب میں ہی ایک اور زلزلہ آنے والا ہے۔ چنانچہ زلزلہ آیا اور اس سے ایسی تباہی ہوئی کہ ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کی تباہی بھی اس کے سامنے ہیچ ہے۔ حکومت کی رپورٹ کے مطابق دس ہزار انسانی جانیں تلف ہوئی ہیں اور مالی نقصان کا اندازہ پندرہ بیس کروڑ تک جا پہنچتا ہے۔ جانوں کی تباہی کا اندازہ ابھی تک صحیح نہیں کیا جا سکتا۔ نیپال کی تباہی کو ملا کر یقیناً ۲۰ ہزار سے زائد اموات نکلیں گی۔

اسلامی تعلیم کی جامعیّت

الٰہی بیّنہ کے پہچاننے کی ایک یہ علامت بھی ہوتی ہے کہ وہ انسانی ضرورتوں کو پورا کرے، کوئی انسان ایسا نہیں کر سکتا۔ خصوصاً عقائد کے معاملہ میں کسی کو کیا خبر کہ خدا تعالیٰ کس بات سے راضی ہو گا۔ ایک فلسفی ایک تھیوری پیش کرتا ہے اور دوسرا اس کا ردّ کر دیتا ہے۔ قائم ہمیشہ وہی بات رہتی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے۔ قرآن پاک خدا کی کتاب ہے اور دیکھو کونسا مسئلہ ہے جو اس میں

موجود نہیں۔ انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک اور اس کے بعد کے لئے تمام ضروری باتیں اس میں بیان کر دی گئی ہیں۔ بچپن، جوانی، شادی، بڑھاپا ہر وقت کے فرائض بتا دیئے گئے ہیں۔ پھر سودا لینے اور دینے، قرض لینے و دینے، حکومت اور رعایا کے تعلقات، غلام و آقا، مزدور اور مزدوری کرانے والے، تاجروں اور گاہکوں غرضیکہ کوئی پیشہ اور فن اور زندگی کا کوئی پہلو نہیں جس کے لئے مکمل ہدایات اور پوری رہنمائی موجود نہ ہو اور کامل تعلیم اس کے لئے موجود نہ ہو۔ پھر ایسی معقول تعلیم کہ دنیا دھکے کھا کھا کر اس کی طرف آنے پر مجبور ہو رہی ہے۔ پہلے یورپ میں طلاق کے مسئلہ پر ہنسی کی جاتی تھی حتّٰی کہ بعض مسلم لیڈر بھی یہ خیال کرنے لگ گئے تھے کہ یہ حکم اس زمانہ کیلئے نہیں۔ سید امیر علی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ صرف عربوں کیلئے تھا، وگرنہ اسلام کا یہ کوئی مستقل مسئلہ نہیں۔ گویا اہلِ یورپ کا اتنا رُعب تھا کہ مسلمان بھی اسے اسلام سے خارج ہی قرار دینا چاہتے تھے مگر اب یورپ میں اس کی اس قدر کثرت ہو گئی ہے کہ وہ اپنی ذات میں عیب بن گیا ہے۔ میں نے ٹائمز میں پڑھا تھا کہ ایک عورت فوت ہوئی ہے جس نے بارہ خاوند کئے۔ ایک عورت نے اس لئے طلاق حاصل کی کہ میرا خاوند مجھے چُومتا نہیں۔ ایک نے اس وجہ سے طلاق حاصل کرنے کی درخواست دی کہ میں نے ایک ناول لکھا تھا میرا خاوند کہتا ہے میں اسے شائع نہ کروں اس لئے میں اس کے گھر میں نہیں رہنا چاہتی۔ غرض ایسی ایسی چھوٹی باتوں پر طلاقیں شروع ہو گئی ہیں لیکن اسلام نے بتایا ہے کہ جب میاں بیوی آپس میں مل جائیں تو پھر ان کا رشتہ نہ ٹوٹنا چاہئے مگر جب نہ مل سکیں تو جُدائی ہی بہتر ہے۔ جھگڑے کی صورت میں پہلے باہم صُلح کی کوشش کی جائے اور اگر اس طرح کامیابی نہ ہو تو دونوں کی طرف سے حَکَم بیٹھیں جو صلح کرانے کی کوشش کریں لیکن جب نباہ کی کوئی صورت بھی نہ بن سکے تو پھر طلاق کی اجازت ہے۔ مسلمانوں کی اس حالت کو نہ دیکھو کہ باہر کسی سے لڑ کر آئے، کھانے میں نمک ذرا کم و بیش ہوا تو جَھٹ بیوی کو کہہ دیا تم پر تین طلاق، یہ جہالت کی باتیں ہیں اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ قرآن کریم نے طلاق کیلئے شرائط مقرر کی ہیں اور ان پر عمل کرنا ضروری رکھا ہے اور یہ ایسی چیز ہے جس کی ضرورت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ میں بتا رہا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا کی ساری ضرورتوں کو پورا کیا ہے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قوتِ قُدسیّہ

دوسری مثال اس کی یہ ہے کہ آپ نے بدی کو

چھوڑنے کی طاقت لوگوں کے دلوں میں پیدا کی۔ امریکہ نے شراب نوشی کی ممانعت کا قانون پاس کیا مگر وہ طاقت نہ پیدا کر سکا جو شراب ترک کرنے کیلئے ضروری تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صرف شراب سے نہ روکا بلکہ وہ طاقت پیدا کی جس سے اسے چھوڑا جا سکتا ہے اور یہی فرق ہے اسلام میں اور دنیوی طاقتوں وحکومتوں میں۔ کسی چیز کو حرام قرار دینے اور لوگوں سے اسے چھڑانے کیلئے بھی ایک طاقت چاہئے کیونکہ یہ ایک قربانی ہے جو بغیر طاقت کے نہیں ہو سکتی اور یہ طاقت دنیوی نہیں بلکہ وہ طاقت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے اور جسے قوتِ قدسیہ کہا جاتا ہے۔

بوعلی سینا کے متعلق لکھا ہے کہ آپ ایک دفعہ کوئی مسئلہ بیان کر رہے تھے ان کی تقریر سن کر ایک شاگرد لٹّو ہو گیا اور مَستی میں آ کر کہنے لگا خدا کی قسم آپ تو محمدؐ رسول اللہ سے بھی بڑھ کر ہیں۔ وہ ایک فلسفی اور نیک آدمی تھے اس وقت تو خاموش رہے جب سردی کا موسم آیا، عراق میں سردی بہت پڑتی اور پانی جم جاتا ہے وہ ایک تالاب کے پاس بیٹھے تھے جو بالکل یخ بستہ تھا۔ اسی شاگرد کو انہوں نے کہا کہ اس تالاب میں کُود پڑو۔ اس نے جواب دیا کہ آپ اتنے بڑے طبیب ہو کر ایسی جہالت کی بات کہتے ہیں۔ وہ کہنے لگے بے حیاء تجھے یاد نہیں، تو نے ایک دفعہ کہا تھا کہ تم محمدؐ رسول اللہ سے بھی بڑھ کر ہو۔ محمدؐ رسول اللہ کے تو ایک اشارے پر ہزاروں لوگوں نے جانیں فدا کر دیں مگر تو میرے کہنے پر اس تالاب میں بھی نہیں کُود سکتا۔ تو اصل چیز قوتِ قدسیہ ہے۔ جب امریکہ نے شراب کی بندش کے احکام جاری کئے تو میں نے اس وقت بھی کہا تھا کہ اس میں دیکھنے والی بات یہی ہے کہ وہ اس پر عمل بھی کرا سکتا ہے یا نہیں اور وہ وقت آ گیا ہے کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اسلام اور دنیوی حکومتوں کی طاقتیں کتنا بڑا فرق رکھتی ہیں۔ اب امریکہ جہاں سے چلا تھا، وہیں واپس آ گیا اور اس نے ممانعتِ شراب کے قانون کو منسوخ کر دیا ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کیا عجیب واقعہ ہے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ شراب منع ہے اور سب جانتے ہیں کہ نشہ والے شخص کو کوئی ہوش نہیں ہوتا۔ مجھے تو اس کا تجربہ نہیں باہر رہنے والوں کو تو ایسے لوگوں کو دیکھنے کے مواقع عام طور پر ملتے رہتے ہیں۔ ہاں ایک دفعہ مجھے یاد ہے کہ مَیں گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ اسی کمپارٹمنٹ میں ایک ریاست کے وزیر صاحب بیٹھے تھے۔ جنہیں میں نہیں پہچانتا تھا مگر وہ مجھے جانتے تھے۔ کہنے لگے کیوں مرزا صاحب آپ کی کیا خاطر کروں؟ اور اسی فقرہ کو بار بار دُہرانا شروع کیا۔ پھر ایک اور صاحب بیٹھے تھے، انہیں کہنے لگے تمہیں شرم نہیں آتی،

جگہ کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ پھر ایک سِکھ ای۔اے۔سی آ گئے ان سے بھی یہی کہنا شروع کر دیا کہ آپ کی کیا خاطر کروں؟ میں نے سمجھا انہیں کوئی مرض ہے مگر کسی نے بتایا کہ نہیں' نشہ کی حالت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب فرمایا کہ شراب منع ہے تو اس وقت مدینہ میں ایک دعوت ہو رہی تھی شراب کے مٹکوں کے مٹکے بھرے رکھے تھے اور لوگ پی پی کر مست ہو رہے تھے کہ گلی میں سے ایک شخص اعلان کرتا ہوا گزرا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شراب منع کر دی ہے' ایک شخص اٹھا کہ باہر جا کر معلوم کروں کہنے والا کیا کہتا ہے مگر دوسرا اسی نشہ کی حالت میں اٹھا اور سونٹا مار کر مٹکوں کو توڑ دیا کہ پہلے شراب کو زمین پر بہا کر پھر دریافت کریں گے [۴۳]۔ اس کے مقابل میں امریکہ کی حالت دیکھو کہ جن کو حکم دیا گیا وہ ہوش میں تھے پھر اس قانون کا نفاذ کرانے کیلئے کروڑوں روپیہ تنخواہ لینے والے سپاہی تھے مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس نہ کوئی فوج تھی' نہ پولیس، مخمور لوگوں کے کان میں آپ کی آواز پڑتی ہے اور وہ یہ بھی برداشت نہیں کرتے کہ پوچھ لیں اعلان کا کیا مطلب ہے اور اسی وقت شراب کے مٹکے توڑ دیتے ہیں اور پھر شراب کی شکل تک دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔ یہی وہ چیز ہے جس سے کام ہوتے ہیں۔

اسلام کے بعد کسی اور مذہب کی ضرورت نہیں

میرے پاس ایک دفعہ ایک جماعت بہائیوں کی آئی ان کا عقیدہ ہے کہ بہاء اللہ نئی شریعت لائے تھے ان سے گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے کہا کہ مَیں ایک بات پیش کرتا ہوں دنیا کو ضرورت تھی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آ کر اسے پورا کیا اور آپؐ کی آمد سے دنیا کی ضرورتیں پوری ہو گئیں۔ اب آپ لوگ کہتے ہیں بہاء اللہ آئے اور نئی شریعت لائے لیکن تم کوئی ایسا مسئلہ بتاؤ جس کی ضرورت دنیا کو ہو مگر وہ قرآن کریم میں نہ ہو۔

بہاء اللہ کا قول اور فعل

میں یہ بات ہمیشہ بہائیوں کے سامنے پیش کرتا رہا ہوں مگر آج تک کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے سفرِ انگلستان کے دوران میں ایک مشہور بنکر کی جو ہانگ کانگ میں کام کرتا ہے بیوی مجھ سے ملنے آئی۔ وہ بہائی ہے اس کے سامنے یہ بات جب میں نے پیش کی تو وہ کہنے لگی میں بتاتی ہوں اسلام میں چار شادیوں کی اجازت ہے لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے' اب ایک ہی بیوی رکھنی چاہئے بہاء اللہ نے

اس حکم کی اصلاح کی ہے۔ میں نے کہا۔ اوّل تو یہ امر بحث طلب ہے کہ شادی ایک ہی چاہئے یا زیادہ کی بھی اجازت ہوسکتی ہے لیکن اس امر کو تسلیم کر کے میں پوچھتا ہوں کہ تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ خود بہاء اللہ کی دو بیویاں تھیں اگر دنیا کے سب لوگوں کو صرف ایک بیوی کی ضرورت تھی اور اسی بات کو رائج کرنے کیلئے وہ آئے تھے تو انہوں نے خود کیوں دو کیں اور پھر اپنے بیٹے عباس کو کیوں کہا کہ تمہارے ہاں اولاد نہیں ہوتی' اس لئے دوسری شادی کرلو۔ پہلے تو اس نے ان واقعات کا سرے سے انکار کر دیا لیکن اس کے ساتھ ایک ایرانی بہائی عورت تھی۔ میں نے کہا اس سے پوچھو' کیا یہ باتیں درست ہیں یا نہیں۔ میرے اصرار پر اس نے پوچھا تو اس ایرانی بہائی عورت نے جواب دیا کہ ہم مانتے ہیں' ان کی دو بیویاں تھیں مگر وہ دعویٰ سے پہلے کی تھیں۔ میں نے کہا جب وہ خدا تعالیٰ کا بروز تھے تو کیا وہ پہلے سے نہ جانتے تھے کہ میں نے یہ تعلیم دینی ہے۔ مگر خیر اس بات کو بھی جانے دو' یہ بتاؤ کہ بعد میں کیا ہوا۔ وہ کہنے لگی دعویٰ کے بعد انہوں نے ایک کو بہن قرار دے دیا۔ میں نے کہا اوّل تو یہ صریح ظلم ہے کہ ایک کو بیوی رکھا اور دوسری کو بہن بنا لیا۔ مگر اسے بھی جانے دو اور یہ بتاؤ کہ کیا اس عورت کے بطن سے کہ جسے انہوں نے بہن قرار دے دیا تھا آخر تک اولاد ہوتی رہی یا نہیں کیا وہ اولاد اپنی بہن سے پیدا کر رہے تھے۔ یہ بات سن کر وہ شرمندہ ہوگئیں۔ ان کے ساتھ ایک امریکن لیڈی تھی کہ وہ بھی اپنے آپ کو بہائی کہتی تھی یہ باتیں سن کر وہ کھڑی ہوگئی اور جوش سے کہنے لگی میں اسلام کو مانتی ہوں' بہائیت کو نہیں۔

ایک خلافِ عقل عقیدہ کی اصلاح

غرض اس وقت تک کوئی بات ایسی معلوم نہیں ہوئی کہ جس کی دنیا کو ضرورت ہو اور قرآن کریم میں مذکور نہ ہو اور میں کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کا کوئی انسان کسی علم سے اعتراض کرے' میں انشاء اللّٰہ العزیز قرآن کریم سے ہی اسے جواب دوں گا۔ اور میرا دعویٰ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آ کر دنیا کی ضرورتوں کو پورا کر دیا اور ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی آ کر یہ بات کی ہے۔ یعنی دنیا کی ضرورتوں کو پورا کیا ہے۔ قرآن کریم آخری کتاب ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی مگر اس کے باوجود اس کے ماننے والوں نے اس سے اعراض کر کے اس کے علوم کو کھو دیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کے علوم کو پھر دنیا میں رائج کیا اور اس کے مخفی خزانوں کو ظاہر کیا۔ مثال کے طور پر میں بیان کرتا ہوں کہ مسلمانوں میں باوجود قرآن کی تعلیم کے صریح خلاف یہ عقیدہ پیدا ہو گیا تھا کہ

نبوت صرف بنی اسرائیل میں چلی آتی ہے۔صرف چند انبیاء ہیں' مثلاً حضرت ایوبؑ' حضرت ہودؑ' حضرت صالحؑ ' حضرت شعیبؑ وغیرہ جو باہر سے آئے ورنہ سوائے بنی اسرائیل کے کسی اور قوم میں کوئی نبی نہیں آیا۔حالانکہ سورۃ فاتحہ کے شروع میں ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے کو رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ [۴۴] فرمایا ہے۔یعنی سارے جہانوں کا رب ہے اور اس کی دلیل کیا ہے کہ سورج' چاند' پانی' ہوا اور زندگی کے دوسرے سامان اس نے سب کیلئے یکساں طور پر پیدا کئے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان سب سے بڑھ کر روحانی چیز ہوسکتی ہے اس لئے سوچنا چاہئے کہ جب خدا تعالیٰ نے جسمانی زندگی کے سامان پیدا کئے ہیں تو روحانی پانی سے کیوں محروم رکھا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے بعد تو بے شک کوئی شخص آپؐ پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں پا سکتا مگر آپؐ سے پہلے جو انبیاء مبعوث ہوئے' انہیں تو جو لوگ ماننا چاہتے تھے ان کو بھی وہ اپنی جماعت میں شامل نہیں کرتے تھے۔حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی کہا ہے اپنے موتی سؤروں کے آگے مت ڈالو۔ [۴۵] جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں تک میری لائی ہوئی ہدایت کو نہ پہنچاؤ۔کیونکہ وہ صرف بنی اسرائیل کیلئے ہی تھے اور ظاہر ہے کہ جب اپنے ملک میں رہنے والی دوسری قوم کے متعلق وہ یہ کہتے ہیں کہ میری ہدایت سے اس کا تعلق نہیں' تو چین و جاپان کا کوئی شخص اگر ان کے پاس چلا جاتا تو وہ اسے سؤروں سے بھی بدتر بتاتے۔ ہندوؤں میں سمندر کے سفر کو بے دینی سے تعبیر کیا جاتا تھا اس لئے ان کا مذہب اہلِ عرب کو کیا فائدہ دے سکتا تھا۔پس ضروری تھا کہ سب اقوام اور سب ممالک کے علیحدہ علیحدہ نبی آتے۔عقلِ سلیم اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ نے جسمانی زندگی کے سامان تو سب کیلئے یکساں پیدا کئے ہوں مگر روحانی زندگی کے سامان کو کسی قوم سے مخصوص رکھا ہو۔حضرت مرزا صاحب نے آکر بتایا کہ قرآن شریف میں صاف طور پر آیا ہے کہ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ [۴۶] اور آپ نے اعلان کیا کہ رام' کرشن' زرتشت' کنفیوشس وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے رسول تھے جو اپنی اپنی قوموں کی طرف ہدایت لیکر آئے تا دنیا کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کیلئے تیار کریں۔ باوجودیکہ یہ بات قرآن کریم میں صاف طور پر موجود ہے مگر پھر بھی مسلمانوں کیلئے یہ اچنبھا خیال تھا اور آپ پر کفر کے جو فتوے لگائے گئے ان میں ایک وجہ تکفیر یہ بیان کی گئی کہ یہ شخص کافروں کو نبی قرار دیتا ہے۔غور کرو قرآن کریم سے کس قدر بیگانگی ہے۔اگر وہ لوگ نبی نہ تھے تو بتاؤ ان اقوام کے لئے کون نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کیلئے کیا سامان مہیا کئے تھے۔خدا تعالیٰ کے متعلق ایک غلطی تھی جسے حضرت مرزا صاحب

نے آ کر دور کیا اور اس طرح عقلِ سلیم کے ایک مطالبہ کو پورا کر کے لوگوں کو اطمینان عطا کیا۔

الہام کے متعلق غلط عقیدہ کی اصلاح

ایک اور غلطی یہ تھی کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا [۲۷] یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے اور پھر استقامت دکھاتے ہیں' ان پر ملائک نازل ہوتے ہیں جو ان کو تسلی دیتے ہیں کہ کوئی حزن وغم نہ کرو۔ لیکن باوجودیکہ یہ آیت قرآن کریم میں موجود ہے مگر مسلمان خیال کرتے تھے کہ وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے حالانکہ قرآن کریم نے صاف طور پر بتایا ہے کہ وحیِ شریعت بند ہے نہ کہ دوسری وحی۔ تو مسلمانوں میں یہ عام غلطی تھی کہ خدا تعالیٰ اب کسی سے کلام نہیں کرتا حالانکہ جو بولتا نہیں اس کے متعلق یہ یقین کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ سنتا ہے۔ کسی کے بولنے سے ہی پتہ لگتا ہے کہ وہ سنتا بھی ہے۔ کسی شخص کو آواز دو نہ بولے تو سمجھو گے بہرا ہے مگر یہ بڑی عجیب بات ہے کہ مسلمان کہتے تھے اللہ تعالیٰ کو پکارتے جاؤ مگر وہ جواب کبھی نہیں دیتا اور جب لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ خدا تعالیٰ سنتا نہیں کیونکہ وہ بولتا نہیں تو اس کی طرف توجہ ہی چھوڑ دی نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی طرف توجہ چھوڑ دی۔ لوگوں کا دعا پر سے عقیدہ بھی اُٹھ گیا۔ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ دعا سے سب مصیبتیں دور ہو سکتی ہیں مگر دعا کی طرف انسان کی توجہ اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب بھی ملے لیکن اگر خالی پکارتے جاؤ اور آگے سے کچھ جواب نہ ملے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی پتھر کو پکارتا جائے۔

اولیاء کے تذکرہ کی کسی کتاب میں ہے کہ ایک بزرگ سالہا سال سے روزانہ ایک دعا کیا کرتے تھے اور روزانہ ہی ان کو جواب ملتا تھا کہ تیری یہ دعا قبول نہیں ہو سکتی۔ ایک دفعہ ان کا کوئی مرید ان کے پاس آ کر رہا۔ رات کے وقت انہوں نے دعا کی تو یہی آواز آئی جو مرید کو بھی سنائی دی۔ وہ بہت حیران ہوا کہ اتنے بڑے بزرگ ہیں اور جواب ایسا ملا ہے۔ اگلے روز پھر انہوں نے دعا کی اور پھر وہی جواب ملا جو مرید نے بھی سنا۔ تیسرے دن جب وہ دعا کرنے لگے تو مرید نے کہا کہ بے شرمی کی کوئی حد ہونی چاہئے دو دن سے ایسا جواب مل رہا ہے اور آپ پھر وہی دعا کرنے لگے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ بے وقوف میرا کام دعا کرنا ہے اور خدا تعالیٰ کا قبول کرنا یا نہ کرنا میں اپنا کام کئے جاتا ہوں وہ اپنا۔ اسی وقت ان کو الہام ہوا کہ ہم نے تیرا استقلال دیکھ لیا ہے اور تیری بیس سالہ سب دعائیں قبول ہیں۔ چونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب مل جاتا تھا

اس سے ان کا ایمان بڑھتا رہتا تھا کہ میرا خدا زندہ خدا ہے وگرنہ وہ کبھی اتنا لمبا عرصہ دعا نہ کرتے' دوسرے ہی روز چھوڑ دیتے' تو یقین جواب سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں یہ ایک بھاری غلطی تھی جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آ کر دور کیا۔ آپ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں تعطّل نہیں ہوسکتا۔ جس طرح وہ پہلے بولتا تھا' اب بھی بولتا ہے اب بھی اس کی سب صفات جاری ہیں۔ جس طرح وہ پہلے پیدا کرتا اور مارتا تھا جس طرح وہ پہلے رزق دیتا تھا' اب بھی ویسے ہی کرتا ہے اور جب وہ سب کچھ پہلے کی طرح اب بھی کرتا ہے تو اس کا بولنا کیوں بند ہوگیا۔ خدا تعالیٰ کے نہ بولنے کا عقیدہ ایک ایسی نامعقول بات ہے جسے عقلِ سلیم قبول نہیں کرسکتی۔

قرآنِ کریم کے متعلق ایک غلط عقیدہ کی اصلاح

اس کے علاوہ کلامِ الٰہی کے بارہ میں مسلمانوں کا ایک عقیدہ اسلام کیلئے سخت نقصان کا موجب ہو رہا تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ قرآن کریم پر ایمان لانے کے مدعی ایک ایسا عقیدہ رکھتے تھے کہ جس کی بناء پر دشمن کو قرآن کریم پر ہر قسم کے اعتراضات کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔ یعنی وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ قرآن کریم میں بہت سی آیات موجود ہیں مگر دراصل وہ منسوخ ہیں۔ غور کرو! یہ کتنا بڑا ظلم ہو رہا تھا بعض نے ایسی آیات کی تعداد گیارہ سَو' بعض نے سات سَو' بعض نے چھ سَو' بعض نے چار سَو اور اسی طرح مختلف لوگوں نے مختلف بیان کی ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ ایسی آیات صرف پانچ ہیں۔ ایسی آیات کے متعلق عقل سے ہی استدلال کیا جاتا ہے اور سوچو کہ اس سبب سے دشمن کو اعتراض کا کتنا موقع مل سکتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ یقینی طور پر تو کسی کو معلوم نہیں کہ کون سی آیات منسوخ ہیں اس لئے قرآن کریم کا اعتبار ہی کیا ہوسکتا ہے ممکن ہے جو آیت تم صداقت کیلئے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہو وہ منسوخ ہو چکی ہو۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے آ کر اس یقین کے ساتھ اس عقیدہ کی تردید کی کہ قرآن کریم ایک زندہ کتاب بن گئی۔ یہ اتنا اہم مسئلہ ہے کہ اس کے متعلق مسلمانوں میں خیال ہوگیا تھا کہ اس کا ردّ کرنا کفر میں داخل ہوگیا ہے اور بڑی دلیری سے کہتے تھے کہ فلاں فلاں آیت منسوخ ہے حالانکہ ایسا کرنے سے اسلام پر ایمان ہی نہیں رہ سکتا اور حضرت مرزا صاحب نے اس عقیدہ کی تردید کر کے جو کام کیا ہے وہ اتنا بڑا ہے کہ اسے ہی اگر مسلمان سمجھیں تو انہیں ماننا پڑے گا کہ آپ کیلئے یہی چیز بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ تھی۔ جس سے آپ نے دنیا کو ایک

نئی زندگی بخشی۔ آیات کو منسوخ قرار دینے کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگ ان معارف کا جو قرآن کریم میں ہیں انکار کر رہے تھے اور اپنی ناسمجھی سے جن باتوں کو سمجھ نہ سکتے' انہیں منسوخ قرار دے رہے تھے۔ مثلاً قرآن کریم میں ایک طرف کفار سے جنگ کا حکم ہے اور دوسری طرف یہ کہ دین میں جبر نہ کرو۔ اب دونوں میں تطبیق نہ کر سکنے کی وجہ سے انہوں نے یہ کہہ دیا کہ لڑائی کا حکم منسوخ ہے حالانکہ دونوں کے علیحدہ علیحدہ مواقع ہیں۔ ایک جگہ تو یہ بتایا ہے کہ مذہبی معاملہ میں کسی پر کوئی جبر نہ کرو اور دوسری یہ تعلیم ہے کہ اگر کوئی حملہ کرے تو دین کی حفاظت کیلئے اس سے ضرور لڑو اس تعلیم کو جہاں جی چاہے پیش کرو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟

ملائکہ کے متعلق صحیح عقیدہ

تیسری غلطی ملائکہ کے متعلق تھی۔ بعض کہتے تھے کہ ان کا وجود ثابت نہیں' بعض بڑے بڑے محققین نے لکھا ہے کہ یہ صرف صفاتِ الٰہیہ ہیں حالانکہ قرآن کریم نے ان کے وجود پر اتنا زور دیا ہے کہ کسی طور پر انکار ممکن ہی نہیں۔ بعض نے یہ دھوکا کھایا ہے کہ فرشتے آدمیوں کی طرح زمین پر اُتر آتے ہیں گویا بعض نے ان کا مادی وجود قرار دے دیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ دو فرشتے ہاروت و ماروت ایک کنچنی پر عاشق ہو گئے تھے اور اس وجہ سے بابل کے ایک کنویں میں آج تک مقیّد ہیں۔ اسی سلسلہ میں شیطان کو بھی فرشتہ قرار دے دیا گیا حالانکہ قرآن کریم میں صاف ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے۔ پھر بعض نے سرے سے فرشتوں کے وجود کا ہی انکار کر دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آ کر بتایا کہ دونوں عقائد قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ قرآن کریم میں صاف طور پر ہے کہ ان کا وجود ہے مگر یہ نہیں کہ وہ مادی جسم اختیار کر کے کسی جگہ جاتے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو جس وقت فرشتہ زید کی جان نکالنے کیلئے ایک جگہ جائے اور اسی وقت بکر کی جان نکل رہی ہو تو وہ کون نکالے۔ اصل بات یہ ہے کہ جس طرح سورج اپنے مقام سے ساری دنیا کو منور کرتا ہے اسی طرح ملائکہ بھی اپنے مقام سے ہر جگہ کام کرتے ہیں۔ سورج وہی ہے جو اپنی جگہ کھڑا رہتا ہے۔ سورج کی جو ٹکیہ ہم دیکھتے ہیں یہ تو اس کی شعاعوں کا مجموعہ ہے۔ اس پر بعض لوگوں نے یہ دھوکا کھایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرشتوں کے منکر ہیں' حالانکہ یہ بات نہیں۔

عصمتِ انبیاء

چوتھی چیز عصمتِ انبیاء ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء اللہ تعالیٰ سے ہدایت لے کر لوگوں کی راہ نمائی کیلئے آتے رہتے ہیں اور وہ ہر قسم کے گناہ سے پاک ہوتے ہیں لیکن حضرت مرزا صاحب سے پہلے مسلمانوں کا یہ خیال

تھا کہ انبیاء بھی گناہ کر لیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے،[۴۸] حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں کہ انہوں نے چوری کی،[۴۹] حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے ناحق خون کر دیا،[۵۰] حالانکہ اس کا مطلب کچھ اور ہے غرضیکہ سب انبیاء پر الزام لگاتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے آ کر بتایا کہ انبیاء نمونہ ہوتے ہیں اگر نمونہ گندہ ہو تو دوسرے اس سے کیا ہدایت حاصل کر سکتے ہیں اور جب یہ سمجھ لیا جائے کہ جن کو اللہ تعالیٰ لوگوں کی اصلاح کیلئے بھیجتا ہے وہ گندے ہوتے ہیں تو لوگوں کا پاک بننے سے مایوس ہو جانا لازمی ہے اور اس عقیدہ کے نتیجہ میں مایوسی مسلمانوں میں پیدا ہو چکی تھی۔ حتّٰی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف ایک مقدمہ میں شہادت دیتے ہوئے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے یہاں تک کہہ دیا کہ جھوٹ بول کر بھی انسان متقی رہ سکتا ہے۔ یہ نقائص اسی وجہ سے پیدا ہوئے کہ سمجھ لیا گیا تھا کہ نبی جھوٹ بول سکتے ہیں۔ مگر آپ نے بتایا کہ نبی گنہگار نہیں ہوتے وہ خدا کی عصمت کے نیچے ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو بطور دلیل پیش کیا اور اعلان کیا کہ میرا کوئی عیب پکڑو اور جب تم مجھ میں کوئی عیب نہیں نکال سکتے تو پہلے انبیاء کو کس طرح گناہ گار قرار دے سکتے ہو۔

مَس شیطان اور انبیاء

ایک اور ظلم کی بات یہ تھی کہ مسلمان سمجھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں تو مَس شیطان سے پاک ہیں مگر باقی سب انسانوں کو شیطان نے چھوا ہے، حتّٰی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی اسی زمرہ میں شامل کیا جاتا تھا۔ حضرت مرزا صاحب نے اس کا بھی ردّ کیا اور بتایا کہ اس عقیدہ سے نبوت پر پانی پھر جاتا ہے اور قرآن واحادیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صاف طور پر موجود ہے کہ آپ نیکیوں کا مجموعہ تھے۔ اگر احادیث میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام مَس شیطان سے پاک تھے [۵۱] تو یہ بھی تو لکھا ہے کہ ہر مومن مرد و عورت جب ملیں تو دعا کریں کہ اے اللہ! ہمارے اس میل کے نتیجہ میں جو بچہ پیدا ہو وہ شیطان کے مَس سے پاک ہو۔ [۵۲] دراصل یہاں حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کو مشابہت کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ مومن کی مثال عیسیٰ اور مریم کی سی ہوتی ہے اور جو لوگ مسیحی یا مریمی صفات اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں، وہ پاک ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ یہ ایک ایسا خطرناک حملہ تھا جس کی وجہ سے ہزارہا لوگ عیسائی ہو گئے۔ عیسائیوں کی

طرف سے یہ اَمر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کے ثبوت میں پیش کیا جاتا تھا کہ بتاؤ جب سب لوگوں کو سوائے حضرت عیسیٰؑ کے شیطان نے مَس کیا ہے اور تم اسے مانتے ہو تو پھر بانی اسلام اور دیگر انبیاء پر ان کی فضیلت ثابت ہے اور مسلمانوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا مگر باوجود اس کے وہ اس عقیدہ کو اس قدر ضروری سمجھتے تھے کہ ہم پر ناراض ہوتے ہیں کہ کیوں ہم اس کے خلاف کہتے ہیں۔

مسیح کی دوبارہ آمد

ایک اور بہت بڑی غلطی یہ تھی کہ ایک طرف تو یہ کہتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے افضل ہیں اور دوسری طرف یہ کہ حضرت مسیح دوبارہ آئیں گے، ساتھ ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کی جاتی کہ لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی حَیَّیْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ [۵۳] یعنی اگر موسیٰ و عیسیٰ زندہ ہوتے تو میری اتباع کے سِوا انہیں چارہ نہ ہوتا۔ مخالفین کی طرف سے اعتراض کیا جاتا تھا کہ جب حضرت عیسیٰؑ دوبارہ آئیں گے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت کی اصلاح کریں گے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ سے افضل کس طرح ہو سکتے ہیں اور ہم کس طرح مان لیں کہ اگر وہ آپؐ کی زندگی میں ہوتے تو ضرور آپؐ کے تابع ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو مسیح کا نام اس لئے دیا تا یہ اعتراض دور ہو کیونکہ آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کی اور آپ کو جو کچھ حاصل ہوا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع سے حاصل ہوا۔

جہاد کا غلط مفہوم

چھٹی چیز جہاد ہے جس کی طرف مَیں پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں۔ پھر اور غلط عقائد نے بھی مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ جب دوبارہ آئیں گے تو کافروں سے جنگ کر کے سب کو ماردیں گے اور سب کچھ مسلمانوں کے قبضہ میں دے دیں گے۔ اسی وجہ سے حضرت مرزا صاحب پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ نے جہاد کا انکار کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا ہے، حالانکہ آپ نے انکار نہیں کیا۔ جہاں قرآن جہاد کو فرض قرار دیتا ہے، وہاں کرنا اب بھی فرض ہے۔ جب کوئی اس غرض سے حملہ کرے کہ مسلمانوں سے ان کا دین چھڑائے تو حملہ آور سے جو جنگ نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں لیکن حضرت عیسیٰؑ کے متعلق یہ خیال رکھنے کا کہ وہ جبراً سب کو مسلمان بنائیں گے، نتیجہ یہ ہوا

کہ مسلمانوں نے تبلیغ چھوڑ دی بلکہ ہر قسم کی ترقی کیلئے جدوجہد ترک کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر آمدِ عیسیٰؑ کا انتظار کرنے لگے اور اس وجہ سے ہر جگہ وہ ناکام ہو گئے۔ اسلام غریب الدِّیار کی طرح ہو گیا۔ ایک زمانہ تھا جب ایک مسلمان عورت عیسائی بادشاہ کے قبضہ میں آ گئی خلفائے بغداد جب برائے نام رہ گئے تو عیسائیوں نے شام کو فتح کیا اور ایک مُسلمہ کو پکڑ کر اس کی بے حرمتی کی اور نقاب وغیرہ اُتارا۔ اُس وقت اس نے کہا۔ کہاں ہے خلیفۃ المسلمین کہ ایک مُسلمہ کی بے حرمتی ہو رہی ہے اور وہ اس کی حفاظت نہیں کرتا۔ ایک سوداگر کے کان میں یہ آواز پہنچی اُس نے آ کر خلیفۂ بغداد سے اس کا ذکر کیا۔ یہ وقت وہ تھا جب یورپ کی ساری فوجیں مسلمانوں کے خلاف جمع تھیں اور مسلمان شکست کھا چکے تھے مگر پھر بھی خلیفہ نے جب یہ بات سنی تو اس نے فوراً کہا کہ خدا کی طرف سے جو فرض مجھ پر عائد ہے' میں اسے ضرور ادا کروں گا وہ گرا ہوا بلکہ مُردہ خلیفہ اُٹھا اور اس نے کہا جب تک میں اس عورت کو نہیں چھڑا لیتا آرام نہ کروں گا۔ چنانچہ وہ فوج لے کر گیا' شام کو فتح کیا اور عورت کو چھڑا کر واپس لایا۔ لیکن آج مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی خانہ کعبہ پر بھی حملہ کرے تو وہ کچھ نہیں کریں گے۔ ہم پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ تُرکی خلیفہ کی شکست پر خوش ہوئے حالانکہ ہم تو اسے خلیفہ مانتے ہی نہ تھے۔ مگر ان کو خلیفہ ماننے والے گئے اور اپنی گولیوں سے اس کے ملک کو انگریزوں کیلئے فتح کیا اور یہ اسی لئے کہ وہ جہاد کے مسئلہ کو غلط رنگ میں سمجھے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام اٹھے اور افغانستان' ایران' ہند' سپین' الجزائر غرضیکہ تمام ممالک پر چھا گئے اسی طرح مسلمانوں کے اندر اگر وہی روح آج بھی ہوتی تو سب ممالک ان سے بھرے ہوئے ہوتے اور عیسائی ممالک میں جہاں مسیح کی عبادت کے گھنٹے بجتے ہیں' وہاں اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی صدائیں بلند ہو رہی ہوتیں۔ حضرت مرزا صاحب نے آ کر مسلمانوں کو بتایا کہ ان کے تنزّل کا باعث جہاد کے متعلق بھی غلط عقیدہ ہے اور اس طرح اس عقیدہ کے نتیجہ کے طور پر تبلیغ میں جو رُکاوٹ تھی' اسے دور کیا۔ اب جماعت احمدیہ مختلف ممالک میں تبلیغ اسلام کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے نتیجہ میں ہزاروں لوگ داخلِ اسلام ہو رہے ہیں۔

دوزخ و جنت کی حقیقت

پھر مسلمانوں میں جنت و دوزخ کے متعلق ایسے عقائد تھے جو نوجوانوں کی بے دینی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ یہ سمجھا جاتا تھا کہ جو عیاشی یہاں منع ہے' وہ جنت میں کی جائے گی۔ میں ایک دفعہ ندوۃ العلماء کے جلسہ میں گیا وہاں ایک مولوی صاحب نماز کی خوبیوں پر تقریر کر رہے تھے میں

ان کا نام نہیں لیتا لیکن یہ بتا دیتا ہوں کہ مولوی شبلی نہ تھے۔شبلی صاحب تعلیم یافتہ اور روشن خیال آدمی تھے اور قوم کا درد رکھتے تھے۔ان مولوی صاحب نے جو کچھ اپنی تقریر میں کہا' میں اسے بیان نہیں کرسکتا۔نماز کی بڑی خوبی انہوں نے یہ بیان کی کہ نماز پڑھنے سے جنت ملے گی اور جنت کا جو نقشہ انہوں نے کھینچا' اسے میں بیان نہیں کرسکتا کیونکہ یہاں عورتیں بھی ہیں۔اس جلسہ میں ایک بیرسٹر صاحب بیٹھے تھے وہ کہنے لگے خدا بھلا کرے مولانا شبلی کا کہ یہ لیکچر رات کو رکھا اگر دن کو رکھتے تو اس وقت چونکہ غیر مسلم بھی ہوتے ہم تو ندامت سے ان کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے اور ہمیں یہاں سے اٹھنا محال ہو جاتا۔دنیا کی جتنی عیاشیاں ہیں' مسلمانوں کا عقیدہ تھا کہ وہ ساری کی ساری اپنی بھیانک صورت میں جنت میں ہوں گی۔حضرت مرزا صاحب نے آکر بتایا کہ جنت کی نعمتیں تمثیلی طور پر ہیں۔رؤیا میں اگر کوئی شخص دیکھے کہ اسے آم دیا گیا ہے تو اس سے مطلب دنیا کا آم نہیں ہوتا' بلکہ اس کی تعبیر اور ہوگی۔رؤیا میں بھی ایک زندگی ہوتی ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ نیند کے وقت اللہ تعالیٰ بندہ کی روح قبض کرتا ہے۔[۵۴] نینداور موت میں گو فرق ہے' موت مستقل چیز ہے اور یہ عارضی مگر پھر بھی کون کہہ سکتا ہے کہ رؤیا کی دنیا اصلی نہیں۔اس قسم کی متعدد مثالیں ملتی ہیں کہ رؤیا میں ایک شخص کو کوئی حادثہ پیش آیا اور جب وہ بیدار ہوا تو اس کے بال سفید ہو چکے تھے' رؤیا میں پھل کھایا اور اُٹھنے پر اس کا ذائقہ موجود تھا' رؤیا میں پانی میں سے گذرے اور اُٹھنے پر پاؤں پُرنم تھے۔تو رؤیا بھی بڑے نشانات کا موجب ہوتا ہے لیکن جس طرح رؤیا میں اگر کوئی آم دیکھے تو اس سے مراد یہ آم نہیں' بلکہ دوسری چیز ہوتی ہے اسی طرح جنت کی نعماء سے یہ مراد نہیں کہ یہی ہوں گی بلکہ یہ مطلب ہے کہ اعمال متشکل ہوں گے۔یہاں انسان جو نمازیں پڑھتا' روزے رکھتا اور دوسری نیکیاں کرتا ہے وہی روحانی آم یا دوسری نعمتوں کی صورت میں اس کے سامنے آئیں گے اور وہ کہے گا کہ هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ [۵۵] وگرنہ یہ آم تو انسان یہاں بھی کھاتا ہے' وہاں اس کے لئے ان میں کیا زیادہ مزا ہوگا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بتایا کہ قرآن سے یہی پتہ لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت اور وصلِ جنت ہے نہ کہ حُور وغِلمان۔

پھر دوزخ کے متعلق بھی ایک نہایت مکروہ خیال لوگوں کے دلوں میں تھا اور وہ یہ کہ سوائے چند آدمیوں کے باقی سب ابدالآباد تک دوزخ میں رہیں گے۔آپ نے فرمایا کہ دیکھو دُنیوی گورنمنٹیں بھی کسی کو ہمیشہ کیلئے قید نہیں کرلیتیں۔جن کو عمر قید کی سزا دی جاتی ہے' وہ بھی ۱۹، ۲۰ سال کے بعد رہا کر

دیئے جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ابدا لآباد تک کسی کو دوزخ میں کیوں رکھے گا حالانکہ ہر شخص کے کچھ نہ کچھ نیک اعمال بھی ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَہٗ [56] اور اگر وہ ہمیشہ کیلئے دوزخ میں ہی رہیں گے تو ان کے نیک کاموں کا بدلہ کب ملے گا۔ آپ نے ثابت کیا کہ خواہ کسی مذہب وملت کے لوگ ہوں' ایک عرصہ تک دوزخ میں رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا فضل ان کو ڈھانپ لے گا۔ اور پھر جیسا کہ قرآن کریم میں ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ [57] سچا غلام تبھی بن سکتا ہے جب جنت میں آئے اور ہر رنگ میں فرمانبرداروں کا نمونہ پیش کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ [58] اگر کوئی شخص ہمیشہ کیلئے دوزخ میں رہے تو کس طرح معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ آپ نے ثابت کیا کہ ہر گناہ گار خواہ وہ کروڑوں اربوں سال دوزخ میں کیوں نہ رہے آخر وہ خدا تعالیٰ کی بخشش کے نیچے آئے گا۔ یہ اعتراض مٹ جائے گا کہ اس کے بندے فرمانبردار نہیں ہیں۔

غرضیکہ حضرت مرزا صاحب نے آکر اس زمانے کی ساری ضرورتوں کو پورا کیا اور جب کام پورا ہو گیا تو پھر کسی اور کے آنیکی کیا ضرورت ہے۔

مؤمنوں کے اندر عظیم الشان تغیّر

دوسری چیز یہ ہے کہ یَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ یہ شاہد دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ایک ایسی جماعت چھوڑی کہ دشمن نے بھی یہ تسلیم کر لیا کہ یہ خدا کے مقرّب لوگ ہیں۔ صحابہؓ میں سے سوائے ان لوگوں کے جو کمزور تھے' باقی سب ایسے تھے جو الہام پاتے تھے اور اس طرح وہ جماعت کے طور پر شاہد تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد صحابہؓ مختلف ممالک میں گئے اور دشمن آج بھی اعتراف کرتے ہیں کہ وہ جہاں گئے' وہاں لوگوں سے ایسا محبت کا سلوک کیا کہ لوگ ان کے گرویدہ ہو گئے۔ مسلمانوں نے ایک دفعہ ایک عیسائی ملک پر قبضہ کیا لیکن بعد میں کسی مصلحت کی وجہ سے انہیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ مگر عیسائی ان کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نہ جائیں۔ وہ لوگ مسلمانوں کے وہاں سے چلے جانے کو اپنے لئے مصیبت سمجھتے اور روتے کہ کاش آپ یہاں ہی رہیں۔ [59] جس سے ظاہر ہے کہ ان کے اندر ایک قوت اور کشش تھی کہ جس کے دشمن بھی معترف تھے۔ پھر الہامات کی مثالیں بھی ان میں موجود ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ اسلامی لشکر چلا آ رہا

تھا کہ پیچھے سے عیسائی لشکر دھوکا دے کر حملہ آور ہوا اور قریب تھا کہ سارا اسلامی لشکر تباہ ہو جاتا۔ حضرت عمرؓ اس وقت مدینہ میں خطبہ پڑھ رہے تھے کہ بے اختیار بول اُٹھے۔ یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ۔ یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ۔[۶۰] ساریہ اسلامی فوج کے کمانڈر کا نام تھا۔ لوگ حیران تھے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مگر آپ نے بتایا کہ میں نے عالمِ کشف میں ایسا نظارہ دیکھا ہے۔ چند یوم بعد ایک شُتر سوار لشکرِ اسلامی سے آیا اور ایک خط لایا جس میں ساریہ نے اپنی پوزیشن کا بعینہٖ وہی نقشہ کھینچا ہوا تھا جو حضرت عمرؓ کو کشف میں دکھائی گئی تھی اور لکھا تھا کہ میں نے یکدم یہ آواز سنی تھی۔ یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ جو آپ کی آواز سے مشابہ تھی اور اس سے متنبّہ ہو کر میں بچ گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زبردست نشان ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ ان لوگوں کے اندر الہام کا زبردست مادہ تھا اور یہ یَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ کا ایک نظارہ تھا کہ آپ نے چوروں' ڈاکوؤں اور فسادی لوگوں کے اندر وہ روح پیدا کر دی کہ اللہ تعالیٰ کی رضاء کے سوا کوئی چیز ان کے مدنظر نہ رہی۔ ایک بیوہ عورت خنساء نامی کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک جنگ میں ایک دن بہت سے مسلمان مارے گئے۔ اس کے چار جوان بیٹے تھے اس نے ان کو بلایا اور کہا کہ دیکھو میں نے بڑی محنت ومشقت سے تمہاری پرورش کی ہے اور تمہارے آباء کے ننگ و ناموس کی حفاظت کی ہے حالانکہ تمہارے باپ کا مجھ پر کوئی احسان نہ تھا' کوئی جائیداد اس نے تمہاری پرورش کیلئے نہ چھوڑی' زندگی میں وہ جواری تھا اور میں اسے اپنے بھائی سے روپیہ لے کر دیا کرتی تھی پس اگر تم سمجھتے ہو کہ میرا تم پر کوئی حق ہے تو اس کے صلہ میں مَیں تم سے یہ چاہتی ہوں کہ میدانِ جنگ میں جاؤ پھر یا تو دشمن کو مغلوب کر کے آؤ یا شہید ہو جاؤ۔[۶۱] غور کرو! یہ کتنی بڑی قربانی ہے۔ وہ عورت بیوہ ہے' پھر بڑھیا ہے اور جانتی ہے کہ اب میرے ہاں کوئی بچہ پیدا ہونا ممکن نہیں مگر وہ چاروں بچوں کو میدانِ جنگ میں بھیج کر ان سے خواہش کرتی ہے کہ شکست کھا کر مجھے منہ نہ دکھانا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق مخالف بھی کہتے ہیں کہ یہ عجیب قوم ہے جب میدان جنگ میں جاتی ہے تو اس قدر جوش کے ساتھ لڑتی ہے مگر عام حالات میں خون کا ایک قطرہ گرانا بھی گوارا نہیں کر سکتی۔ ایران میں مسلمان جب گئے تو ایران کے بادشاہ نے ان کے ایک وفد کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ تم لوگ وحشی اور گوہیں کھا کر زندگی بسر کرنے والے ہو۔ تمہیں ہمارے ملک پر فوج کشی کی جرأت کیسے ہوئی۔ کچھ روپیہ لے لو اور چلے جاؤ' خواہ مخواہ ہلاکت میں نہ پڑو۔ مگر

صحابہؓ اسے جواب دیتے ہیں کہ بے شک ہم لوگ ایسے ہی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل کیا اور ہم میں ایک نبی مبعوث کیا جس نے ہمیں انسان بنا دیا اور ہمارے اندر اعلیٰ اخلاق پیدا کر دیئے۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمان روپیہ حاصل کرنے کیلئے لڑتے تھے۔ غور سے دیکھو! ان کی جرأت کتنی ہے۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ پہلے تم نے حملہ کیا تھا اور اب ہم جب تک ایران کو فتح نہ کرلیں، واپس نہیں جا سکتے۔ اس وقت ایران کی سلطنت ایسی ہی تھی جیسے اب انگلستان کی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ مٹی کا ایک بورا لایا جائے اور پھر اسے رئیسِ وفد کے سر پر رکھوا کر کہا کہ جاؤ اب میں تمہیں کچھ نہیں دوں گا۔ انہوں نے مٹی کا بورا بلا تأمل سر پر اٹھا لیا اور دوڑ کر وہاں سے نکل گئے اور کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بادشاہ نے ایران کی زمین اپنے ہاتھ سے ہمارے حوالے کر دی ہے [۶۲]۔ غور کرو یہ کتنا عظیم الشان تغیر ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان لوگوں کے اندر پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی مدد کی کہ کوئی دشمن ان کے مقابل پر ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی یَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ کے ماتحت تھے۔ خدا تعالیٰ نے آپ پر الہام نازل کیا کہ كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ۔ [۶۳] ساری برکتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہیں۔ برکتوں والا ہے استاد اور برکتوں والا ہے شاگرد گویا آپ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیلئے شَاهِدٌ مِّنْهُ تھے۔ لیکن اسی طرح آپ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے شاہد بھجوائے ہیں۔ چنانچہ آپ کی جماعت میں بھی ہزاروں ایسے لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے اور خود مجھ سے ہزاروں مرتبہ اس نے باتیں کی ہیں۔ اب میرے سامنے اگر کوئی شخص یہ بات پیش کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے باتیں نہیں کرتا تو میں اسے کس طرح مان سکتا ہوں۔ ولایت میں جب میں گیا تو وہاں ایک فلسفی ڈاکٹر نے مجھ سے گفتگو کی۔ جس میں اس نے کہا کہ الہام وغیرہ کوئی چیز نہیں، سب انسان کے اپنے خیالات کا نام ہے۔ میں نے کہا کہ جب میرے کانوں نے اللہ تعالیٰ کی آواز کو سنا ہو تو خشک فلسفیانہ باتوں کا مجھ پر کیا اثر ہو سکتا ہے اور میں کیونکر تسلیم کر سکتا ہوں کہ جو کچھ میں نے سنا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا۔ اس پر اسے تسلیم کرنا پڑا کہ بے شک ایسے انسان پر ان دلائل کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔

ذاتی تجربہ یہ ایک حقیقت ہے کہ کئی بار میں نے ایسی باتیں پہلے سے لوگوں کو بتائیں جو اسی طرح پوری ہوئیں۔ لطیفہ کے طور پر اس وقت ایک کا ذکر کرتا ہوں۔ ہماری جماعت میں ایک مطلوب خاں صاحب ہیں جو فوج میں ڈاکٹر تھے۔ وہ عراق میں لڑائی میں شامل تھے ان کے والد ۷۰۔ ۷۵ سال کے بوڑھے قادیان میں مجھ سے ملنے آئے۔ قادیان سے ان کے واپس جانے کے بعد ان کو اطلاع ملی کہ ان کا لڑکا جنگ میں مارا گیا ہے۔ چونکہ میں تھوڑا ہی عرصہ پہلے ان سے مل چکا تھا اور ان کی ضعیف العمری دیکھ چکا تھا' اس لئے مجھے بہت صدمہ ہوا اور میرے منہ سے بار بار یہی دعا نکلتی کہ کاش! مطلوب خاں زندہ ہو۔ مگر پھر خیال آتا کہ جب گورنمنٹ کی طرف سے موت کی اطلاع آ چکی ہے تو کاش زندہ ہو کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ آخر مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مطلوب خاں صاحب میرے پاس آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں تین دن دفن رہ کر پھر زندہ ہو گیا ہوں۔ میں حیران تھا کہ ہم تو اس دنیا میں مر کر زندہ ہونے کے قائل ہی نہیں مگر یہ رؤیا اتنا صاف تھا کہ میں سمجھتا تھا یہ خیال نہیں ہوسکتا اور یہ ضرور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس دن کھانے کے وقت میں نے اپنے بھائیوں سے اس کا ذکر کیا اور میرے ایک بھائی نے مطلوب خاں صاحب کے ایک رشتہ دار کو بتایا جس نے اپنے چچا کو خط لکھا۔ اس نے اطلاع دی کہ یہ صحیح ہے۔ مطلوب خاں کا تار آیا ہے کہ گھبراؤ نہیں میں زندہ ہوں۔ میں حیران تھا کہ یہ کیا بات ہے مگر معلوم ہوا کہ جس طرح میں نے خواب میں دیکھا تھا' اسی طرح واقعہ پیش آیا۔ بات یہ ہوئی کہ عربوں سے انگریزی فوج کی جنگ ہوئی انگریزی فوج کے ساتھ یہ ڈاکٹر تھے۔ انہیں عرب گرفتار کر کے لے گئے لیکن کوئی اور ڈاکٹر دوسری فوج سے آیا تھا۔ اس کی لاش کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے انگریزی افسران کو یہ دھوکا لگا کہ مطلوب خاں مارے گئے ہیں اور انہوں نے ہندوستان اُن کی موت کا تار دے دیا۔ عربوں کے ہاں قیدی رکھنے کا تو کوئی انتظام تھا نہیں۔ اغلباً وہ انہیں قتل کر دیتے لیکن خدا تعالیٰ نے یہ سامان کیا کہ ایک ہوائی جہاز نے اس گاؤں پر گولہ باری کی جس میں یہ قید تھے۔ گاؤں کے لوگ بھاگ گئے اور مطلوب خاں کو بھاگنے کا موقع مل گیا اور انہوں نے واپس آ کر اپنے عزیزوں کو اپنی سلامتی کا تار دیا۔ خواب میں جو مجھے بتایا گیا تھا کہ تین دن ہوئے وہ زندہ ہو گئے۔ اس سے مراد ان کی قید سے رہائی تھی۔ جو ان کے لئے دوسری زندگی ہی تھی کیونکہ وہاں رہتے تو ضرور مارے جاتے۔ اس کے علاوہ میرا سینکڑوں دفعہ کا تجربہ ہے کہ جو خواب دیکھا جاتا ہے وہ پورا ہو جاتا ہے۔ میں جب لائل پور کے لئے صبح کو روانہ

ہونے والا تھا تو اسی رات ایک خواب دیکھا کہ آسمان پر بہت سے بادل ظاہر ہو رہے ہیں اور کوئی آواز دے رہا ہے کہ دیکھو آسمان سے ایک ہاتھ ظاہر ہو رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ یکے بعد دیگرے سفید سفید بادلوں کے ٹکڑے اُفق پر ظاہر ہوتے ہیں اور پھر پَھٹ جاتے ہیں پَھٹتے وقت ان میں سے ایک سفید نورانی ہاتھ ظاہر ہوتا ہے اور اس طرح انگلیوں کو حرکت دیتا ہے جیسے کہ بات کرتے وقت بعض لوگ اشارہ کرتے ہیں۔ بیداری کے بعد میرا خیال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مصرع کی طرف گیا کہ:۔

ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

اور میں سمجھا کہ اسلام کی عظمت کے اظہار کیلئے خدا کا کوئی نشان ظاہر ہوگا۔

جماعتِ احمدیہ میں الہام کا اجراء

غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آپ کی جماعت میں الہامی کلام کا اجراء صاف بتا رہا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو کوئی دماغی نقص نہ تھا بلکہ آپ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے اور اس کے مقرب بندے تھے۔

اب میں دلیل کے اس تیسرے حصہ کو لیتا ہوں کہ مِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰى رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق پہلی کتب میں سینکڑوں پیشگوئیاں موجود ہیں۔ اگر میں انہیں بیان کرنے لگوں تو یہ لیکچر بہت لمبا ہو جائے گا اور ان میں یہاں تک تفاصیل موجود ہیں کہ جنگ بدر کا پورا پورا نقشہ بیان کیا گیا ہے۔ جنگ کہاں اور کس طرح ہوگی۔ رئیس الکفار یعنی ابوجہل کی موت کہاں اور کس طرح واقع ہوگی۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کے تفصیلی واقعات بیان کئے گئے ہیں اور یہی بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بھی موجود ہے۔ احادیث میں آپ کے زمانہ کی صاف علامتیں بتائی گئی ہیں کہ عورتوں کی کثرت ہو جائے گی اور مرد کم ہوں گے، پھر عورتوں میں عُریانی زیادہ ہوگی، وہ تجارتی کاروبار میں شریک ہوں گی۔ اب دیکھ لو یہ ساری باتیں اس وقت پوری ہو رہی ہیں۔

آخری زمانہ کا موعود مصلح

مَیں تفاصیل تو اس وقت بیان نہیں کر سکتا کیونکہ پہلے ہی مضمون بہت لمبا ہو چکا ہے اور تھوڑا تھوڑا بھی بیان کروں تو مضمون کی عظمت جاتی رہتی ہے اس لئے میں نے اشارتاً ان کا ذکر کر دیا ہے۔ ہاں اختصار کے ساتھ ایک اور بات کہہ دینا چاہتا ہوں۔ سب مذاہب میں یہ وعدہ موجود تھا کہ آخری

زمانہ میں ایک مصلح پیدا ہوگا اور ہر مذہب والے سمجھتے تھے کہ ان کا پیغمبر دوبارہ دنیا میں آئے گا اور بتایا گیا تھا کہ اس زمانہ میں بدی بہت پھیل جائے گی، چھوٹی لڑکیوں کے نکاح ہوں گے، ان سے بچے پیدا ہوں گے، امن کا زمانہ ہوگا، بچے سانپوں سے کھیلیں گے، اس زمانہ کو خدا نے صلح کا زمانہ قرار دیا تھا، بدھ کہہ رہے تھے، مہاتما بدھ جو کہیں گے ہمیں منظور ہوگا، عیسائی تسلیم کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ جو کہیں گے ہمیں منظور ہوگا۔ مسلمان کہہ رہے تھے۔ کہ جو امام مہدی کہیں گے، ہم مانیں گے، ہندو کہتے تھے کہ جو کرشن کہیں گے ہمیں اس سے انکار نہ ہوگا تب خدا تعالیٰ نے ایک ہی شخص کو سب نام دیکر بھیجا جس نے کہا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے تم سب لوگوں کے انتظار کے نتیجہ میں بھیجا ہے جس کا فیصلہ منظور کرنے کا تم نے اقرار کیا ہوا ہے۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ نجات محمدؐ کی غلامی میں ہے سب دنیا کی اقوام کا فیصلہ اسی کے ہاتھ پر ہے۔ وگرنہ اگر حضرت عیسیٰؑ آتے تو ہندو کہہ دیتے، ہمیں تو کرشن کا فیصلہ ہی منظور ہوسکتا ہے اور اگر کرشن آتے تو مسلمان کہتے ہم ان کی بات نہیں مان سکتے اسی طرح بدھ کے آنے کی صورت میں عیسائی انکار کر دیتے۔ پس فیصلہ کی صورت یہی تھی کہ سارے نام ایک ہی شخص کے ہوں وہ آئے اور کہہ دے کہ جاؤ سب کے سب محمدؐ کے پاس جاؤ کہ اسی میں تمہاری نجات ہے۔ اپنی قوم کو مخاطب کر کے اس نے کہا کہ تم مجھے کافر کہتے ہو مگر میرا مذہب سن لو جو یہ ہے کہ:۔

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمّرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

مَیں محمدؐ کے عشق میں مخمور ہوں اور اگر اس کا نام کفر ہے تو خدا کی قسم میں سخت کافر ہوں۔ تم کہتے ہو میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہتک کی ہے۔ یاد رکھو میرا مقصد یہ ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت قائم کروں۔ اوّل تو یہ ہے ہی غلط کہ میں کسی نبی کی ہتک کرتا ہوں ہم سب کی عزت کرتے ہیں لیکن اگر ایسا کرنے میں کسی کی ہتک ہوتی ہو تو بے شک ہو۔ میں نے جو دعوے کئے وہ اپنی عظمت و شان کے اظہار کے لئے نہیں، بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان کی بلندی کے اظہار کے لئے کئے ہیں۔ مجھے خدا کے بعد بس وہی پیارا ہے لیکن اگر تم اسے کفر سمجھتے ہو تو مجھ جیسا کافر تم کو دنیا میں نہیں ملے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں مَیں بھی کہتا ہوں کہ مخالف لاکھ چلاّئیں کہ فلاں بات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہتک ہوتی ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کی عزت قائم کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ یا کسی اور کی ہتک ہوتی ہوتو ہمیں ہرگز اس کی پرواہ نہیں ہوگی ۔ بے شک آپ لوگ ہمیں سنگسار کریں یا قتل کریں آپ کی دھمکیاں اور ظلم ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت کے دوبارہ قائم کرنے سے نہیں روک سکتے ۔

سامعین کا شکریہ اس کے بعد میں ان تمام دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو تقریر سننے کیلئے آئے اور دعا کرتا ہوں کہ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ سچے رستہ پر چلنے‘ قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ ہمارے اختلافات کو دور کرکے ہندو‘ عیسائی‘ سکھ غرضیکہ سب کو ہدایت دے کر دین واحد پر جمع کر دے تا وہ سب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہو کر ایک ہو جائیں ۔اے میرے قادر و توانا خدا! میں تیرے حضور یہ درخواست کرتا ہوں کہ کوئی عیسائی ہو یا ہندو و سکھ‘ سب تیرے بندے ہیں ۔ پس اپنے بندوں کو گمراہ ہونے سے بچالے ۔ تیری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے ۔ دوزخ کے دروازے بند کرکے جنت کے دروازے کھول دے ۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ (مطبوعہ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۴ء قادیان)

۱ المؤمن: ۲۹
۲ سیرت ابن ہشام الجزء الثانی صفحہ ۹۲ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۳ اٰل عمران: ۱۴۵ ۔ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم باب لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلاً
۴ سیرت ابن ہشام الجزء الثالث صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۵ السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثالث صفحہ ۳۹۷ حاشیہ مطبع محمد علی صبیح میدان الازھر بمصر ۱۹۳۵ء
۶ اٰل عمران: ۱۶۵
۷ بخاری کتاب ابواب التقصیر باب الصلوٰۃُ بِمنیً
۸ الفاتحۃ: ۶ تا ۷
۹ ترمذی کتاب الایمان باب مَاجاءَ فی افتراق ھٰذہِ الْاُمَّۃِ
۱۰ النساء: ۷۰ ۱۱ آل عمران: ۱۹۴ ۱۲ الحدید: ۲۰
۱۳ المائدۃ: ۲۱ ۱۴ ھود: ۱۸ ۱۵ یونس: ۱۷

۱۶؎ السیرة الحلبیة الجزء الاوّل صفحہ ۳۰۹ تا ۳۱۱ مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء

۱۷؎ تذکرہ صفحہ ۸۹۔ایڈیشن چہارم

۱۸؎ اشاعۃ السنۃ جلد ۷ شمارہ نمبر ۶ صفحہ ۱۶۹

۱۹؎ الفرقان: ۵۳ ۲۰؎ الواقعة: ۸۰ ۲۱؎ المائدة: ۶۸

۲۲؎ تاریخ الخمیس الجزء الاوّل صفحہ ۳۷۰ مطبوعہ ۱۳۰۲ھ

۲۳؎ سیرت ابن هشام جلد ۱ صفحہ ۱۷۱ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ، المواهب الدنیة الجزء الثانی صفحہ ۱۱ دار الکتب العلمیة بیروت

۲۴؎ سیرة ابن هشام الجزء الاوّل صفحہ ۳۷۱ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۲۵؎ سیرت ابن هشام الجزء الثانی صفحہ ۱۸۹ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۲۶؎ سیرت ابن هشام الجزء الاوّل صفحہ ۱۰۱ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۲۷؎ بخاری کتاب الجهاد و السیر باب السُّرْعَةِ وَالرَّکْضِ فِی الفزع

۲۸؎ تذکرہ صفحہ ۱۷۹، ۲۸۰ پر الہام کے الفاظ اس طرح ہیں۔ "وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ"۔ایڈیشن چہارم

۲۹؎ تذکرہ صفحہ ۱۴۰۔ایڈیشن چہارم

۳۰؎ اشاعة السنة جلد ۳ نمبر ۴

۳۱؎ التکویر: ۶،۷ ۳۲؎ التکویر: ۳ تا ۷ ۳۳؎ التکویر: ۹ تا ۱۵

۳۴؎ تذکرہ صفحہ ۴۶۲۔ایڈیشن چہارم

۳۵؎ تذکرہ صفحہ ۷۵۷۔ایڈیشن چہارم

۳۶؎ تذکرہ صفحہ ۱۸۴۔ایڈیشن چہارم

۳۷؎ حمامة البشریٰ صفحہ ۱۲۰ روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۳۳۶

۳۸؎ تذکرہ صفحہ ۳۲۶۔ایڈیشن چہارم

۳۹؎ تذکرہ صفحہ ۳۷۶۔ایڈیشن چہارم

۴۰؎ تذکرہ صفحہ ۳۱۴۔ایڈیشن چہارم

۴۱؎ تذکرہ صفحہ ۵۱۵۔ایڈیشن چہارم

۴۲؎ تذکرہ صفحہ ۱۵۷۔ایڈیشن چہارم

۴۳؎ مسلم کتاب الاشربة باب تحریم الخمر (الخ)

۴۴؎ الفاتحة: ۲

۴۵؎ متی باب ۷ آیت ۶

۴۶؎ فاطر: ۲۵ ۴۷؎ حم السجدة: ۳۱

۴۸؎ بخاری کتاب الانبیاء باب قول اللّٰه تعالیٰ وَاتخذ اللّٰه اِبرٰھِیۡمَ خَلِیۡلًا

۴۹؎ تفسیر درمنثور الجزء الرابع صفحہ ۵۳۔ ۵۴ دار الکتب العلمیة بیروت ۱۹۹۰ء

۵۰؎ تفسیر درمنثور الجزء الخامس صفحہ ۳۲ دار الکتب العلمیة بیروت ۱۹۹۰ء

۵۱؎ مسند احمد بن حنبل الجزء الثانی ۲۷۴۔ ۲۷۵ المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۷۸ء

۵۲؎ بخاری کتاب الدعوات باب مایقول اِذَا أتیٰ أهله

۵۳؎ تفسیر ابن کثیر الجزء الاوّل صفحہ ۳۷۸ مطبع البابی الحلبی مصر

۵۴؎ مسند احمد بن حنبل الجزء الرابع صفحہ ۱۹۱ المکتب الاسلامی بیروت

۵۵؎ البقرة: ۲۶ ۵۶؎ الزلزال: ۸ ۵۷؎ الذّٰریٰت: ۵۷

۵۸؎ الاعراف: ۱۵۷

۵۹؎ فتوح البُلدان البلاذری صفحہ ۴۳۔ الطبعة الاولیٰ۔
المطبعة المصریة الازهر ۱۹۳۲ء

۶۰؎ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۱۲۴۔ ۱۲۵ مطبوعہ ۱۸۷۰ء لاہور

۶۱؎ اسد الغابة فی معرفة الصحابة المجلد الخامس صفحہ ۴۳۲ مطبع اسلامیہ
طهران ۱۳۷۷ھ

۶۲؎ تاریخ الامم والملوک لابی جعفر محمد بن جریر الطبری المجلد الرابع
صفحہ ۲۳۲ تا ۳۲۵ دار الفکر بیروت لبنان ۱۹۸۷ء

۶۳؎ تذکرہ صفحہ ۲۵۔ ایڈیشن چہارم